وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ.
''اور ہم نے جن و انس کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے''۔
عرفانِ ذات
ترجمہ
نفثة المصدور
تالیف: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ
تقدیم و ترجمہ: علامہ محمد شہزاد مجدّدی
دار الاخلاص: ۴۹- ریلوے روڈ، لاہور، پاکستان

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ.

''اور ہم نے جن وانس کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے''

عرفانِ ذات

ترجمہ

نفثة المصدور

تالیف: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم و ترجمہ: علامہ محمد شہزاد مجددی

دار الاخلاص

49- ریلوے روڈ، لاہور، پاکستان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متن : نفثة المصدور

عنوان : عرفانِ ذات

مصنف : امام فخر الدین رازی قدس سرہ

مترجم : علامہ محمد شہزاد مجددی

صفحات : 56

تاریخ طبع اوّل : ربیع الاوّل 1420ھ، جولائی 1999ء

تاریخ طبع ثانی : ذوالحجہ 1420ھ، مارچ 2000ء

تاریخ طبع سوم : محرم الحرام 1428ھ، فروری 2007ء

قیمت : Rs.[illegible]/-

ناشر : دارالاخلاص: 49 - ریلوے روڈ، لاہور، پاکستان

042-7234068

ای میل : msmujaddidi@hotmail.com

اِتّصالے بے تکیف و بے قیاس
ہست ربُّ النّاس را با جانِ ناس

(مولانا رومی قدس سرہٗ)

"انسانوں کے رب کا انسانوں کے ساتھ ایک (ایسا) تعلق
اور اتصال ہے جو بلا کیف اور بلا تشبیہ ہے"

انتساب!

پاکیزہ روحوں اور روشن ضمیروں کے نام!

تن زِ جان و جان زِ تن مستور نیست
لیک کس را دید جاں دستور نیست

(مثنوی معنوی)

"جسم روح سے اور روح جسم سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن روح کا کسی کو نظر آنا (فطرت کا) دستور نہیں ہے"۔

گزارش احوال واقعی

(ادیب شہیر علامہ محمد عالم مختار حق مدظلہ)

اسلام کے بطل جلیل امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۰۶ھ) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ ایک نامور مسلمان فلسفی اور الٰہیات کے جید عالم تھے۔انھوں نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں۔آپ کی شاہکار تصنیف ''تفسیر کبیر'' نے آپ کی شہرت کو اکناف عالم میں پھیلا دیا۔گو بعض مشاہیر اہل فضل وکمال کے نزدیک یہ تفسیر درایت میں اعلیٰ درجہ مگر روایت میں کم پایہ ہے مگر اس کے باوصف کسی دور میں بھی فضلاء روزگار نے اس سے عدم اعتنا نہیں برتا۔

امام صاحب کی اولاد کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ اتنا ثابت ہے کہ اُن کے تین صاحب زادے ضرور تھے، ضیاء الدین، شمس الدین اور محمد۔ محمد ہی سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ جن سے امام صاحب کو غیر معمولی محبت وانسیت تھی مگر وہ عین عنفوان شباب میں داغ مفارقت دے گئے۔ جس نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو ہلا کر رکھ دیا اور یہ صدمہ جانکاہ اُن کے لوح دل سے تادم زیست محو نہ ہوسکا اور ان کے دل ودماغ پر مستولی رہا کہ تفسیر کبیر تحریر کرتے وقت بھی اُن کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹ چھوٹ جاتا ہے اور اُن کے نوک قلم سے غم کے آنسوؤں کی تراوش بے اختیار کبھی نثر کی صورت میں اور کبھی مرثیہ کی صورت میں ٹپک پڑتی ہے اور وہ اس طرح اپنے غم کا اظہار کرتے ہیں۔

وَاُقسِم اَن مَسّوا رفاتی و رمتی

احسّوا بنار الحذن فی مکن العظم

''بخدا اگر لوگ میری بوسیدہ ہڈیوں کو بھی ٹٹولیں گے تو غم کی آگ اُن ہڈیوں کے نہاں خانے میں محسوس کریں گے''۔

اس حادثۂ فاجعہ پر سلطان وقت محمد بن تکش المعروف بہ خوارزم شاہ (م ۶۱۶ھ) نے امام رازی کے نام ایک تعزیت نامہ تحریر کیا جس میں سلطان نے اپنے ہمدردانہ جذبات کا اظہار کیا۔ اس شاہی نامہ

کے جواب میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو جواب تحریر کیا۔ اُس نے نفثۃ المصدور (آہِ غم) کا نام پایا۔ مگر یہ رسالہ عرصہ دراز تک گردِ فراموشی کی دبیز تہہ میں دبا رہا۔ حُسن اتفاق سے اس کا ایک خطی نسخہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی (م ۲۴ مئی، ۱۹۸۵ء) مولانا آزاد لائبریری (ذخیرہ سبحان اللہ خان) مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں دستیاب ہو گیا جس کا فارسی متن انھوں نے اپنے مناسب تعارف کے ساتھ کتاب ''نظرِ عرشی'' (مولانا امتیاز علی خان عرشی متوفی ۱۲ فروری ۱۹۸۱ء) مرتبہ مالک رام (م ۱۶ اپریل ۱۹۹۳ء) و جناب مختار الدین احمد صاحب حالیہ وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی پٹنہ (انڈیا) مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۶۵ء میں شائع کر دیا اور یوں یہ رسالہ کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ یہ رسالہ بعد ازیں مولانا اکبر آبادی مرحوم کے مجموعۂ مضامین میں بھی شائع ہو گیا) مولانا اکبر آبادی نے ضمناً اپنے تعارفی کلمات میں ان نسخوں کی بھی نشاندہی کر دی ہے جو ''نفثۃ المصدور'' کے نام سے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ خوانندگان گرامی کی معلومات میں اضافہ کی خاطر ان نسخوں کے مصنفین کے اسماء درج ذیل کئے جا رہے ہیں:

۱) شیخ قطب الدین ابوالحسن سعید بن ہبۃ اللہ الراوندی

۲) شرف الدین نوشیرواں بن خالد

۳) شیخ عباس قمی (ایران)

راقم الحروف کے کتب خانہ میں بھی اس نام کی ایک کتاب ہے جو طہران سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دولت خوارزم شاہی کے انقراض اور فتنہ مغول کے اسباب وعلل پر بحث کرتی ہے۔ یہ کتاب خواجہ نور الدین محمد زیدری خراسانی کی تصنیف ہے جو جلال الدین خوارزم شاہ مشہور بہ منکبرنی (آخری بادشاہ سلسلہ خوارزم شاہیاں) کا دبیر منشی تھا۔ مصنف کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دخترِ رز سے سرگرم صحبت رہتا تھا۔ بنا بریں اُسے نور الدین مخمور بھی کہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز خواجہ کمال اصفہانی ملقب بہ خلاق المعانی (م ۶۳۵ھ) اس کی ملاقات کو گیا مگر اس وقت دبیر منشی کثرت مے نوشی کے سبب بے سدھ پڑا تھا اور اسے اپنے تن بدن کا ہوش تک نہ تھا۔ خواجہ کمال اس صورت حال سے

بہت کبیدہ خاطر ہوا چنانچہ اس نے فی البدیہہ یہ رباعی کہی اور کاغذ کے ایک پرزہ پر لکھ کر اس کے ہاں چھوڑ کر واپس چلا آیا:

فضل تو وایں بادہ پرستی باہم
مانند بلندی ست و پستی باہم
خاک تو بچشم خوبرویاں مانند
کاں جاست ہمیشہ نور و مستی باہم

یہ تاریخی واقعہ ضمناً نوک قلم پر آ گیا اور قارئین کو اس سے محروم رکھنا دل نے گوارہ نہ کیا۔

فاضل نوجوان محمد شہزاد مجددی صاحب کو ماشاء اللہ السنہ شرقیہ پر مکمل عبور حاصل ہے۔ اس رسالہ انیقہ کا انہیں علم ہوا تو انہوں نے اسے اردو دان طبقہ کے استفادہ کے لیے ترجمہ کے لیے منتخب کر لیا۔ پیشتر ازیں وہ چند کتابوں کے اردو تراجم کر کے اپنی زبان دانی کا اہل علم سے سکہ منوا چکے ہیں اور اس طرح انہیں فن ترجمہ میں طبعی مناسبت بھی پیدا ہو چکی ہے۔ حال ہی میں انہوں نے مخدوم محمد ہاشم سندھی متوفی ۱۱۷۴ھ کی عربی تصنیف ''التحفة المرغوبة فی افضلية الدعاء بعد المكتوبة'' کا کامیاب اردو ترجمہ کیا ہے جس پر شائقین علم و ادب نے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ راقم نے نفثۃ المصدور کا ترجمہ از اول تا آخر فارسی متن سے لفظ لفظ مقابلہ کر کے مطالعہ کیا ہے اور میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اس سے بہتر ترجمہ کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ بدیں سبب کہ جس کتاب سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے وہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز تحریر سے ہٹ کر لکھی تھی کیونکہ یہ تحریر کلام الملوک کے جواب میں ملوک الکلام کا درجہ رکھتی ہے اور اسے ایسی عبارت سے مزین کیا گیا ہے جو بادشاہوں کے شایان ہو۔ ایسی ادق کتاب کا ترجمہ بلا ریب محنت طلب تھا مگر مترجم نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ ہر قسم کے سقم اور ابہام سے پاک ہے اور ترجمہ کے لیے ایسے شستہ، سہل اور سریع الفہم الفاظ کا چناؤ کیا گیا ہے جس پر طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے اور ایک کامیاب ترجمہ کا یہی حسن ہے۔ میں انہیں اس کاوش پر ہدیۂ تہنیت پیش کرتا ہوں۔

مترجم موصوف ایک ادارہ ''سنی لٹریری سوسائٹی'' ریلوے روڈ لاہور کے بانی و مہتمم بھی ہیں اور بمصداق ''خودکوزہ وخودکوزہ گروں خودگل کوزہ'' اس ادارے کے لیے خود ہی کتابیں تصنیف یا ترجمہ کر کے چھاپتے ہیں۔ان کے علمی و تحقیقی مضامین ملک کے باوقار رسائل میں اشاعت پذیر ہوتے رہتے ہیں۔شعروشاعری سے انہیں بدوشعور سے ہی فطری لگاؤ ہے مگران کی شاعری کا محور غزل سرائی نہیں۔ اگر چہ وہ اسے شجر ممنوعہ نہیں سمجھتے مگر اسے ذریعہ عزت بھی نہیں گردانتے۔ان کی شاعری کا محور صرف اور صرف مدحت رسول ہے۔چنانچہ ان کا سب سے پہلا مجموعہ کلام جو''حریص 'علینا'' کے مقدس نام سے اشاعت پذیر ہوا۔وہ مدحت رسول پر ہی مشتمل ہے۔انہیں فن تاریخ گوئی میں بھی ملکہ حاصل ے۔وہ صاحب نسبت بھی ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ کہ مشہور صوفی بزرگ حضرت اخندزادہ سیف الرحمن صاحب پیرارچی مبارک دامت برکاتۃ القدسیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہیں۔وہ قلیل مدت میں ہی سلوک کی منزلیں طے کر کے خلافت سے بھی سرفراز ہو چکے ہیں اور بقول سعدی'' آثار بزرگی از ناصیہ او ہویدا'' انہوں نے اپنی قیام گاہ پر ایک ادارہ ''دارالاخلاص'' بھی قائم کر دیا ہے۔جہاں روحانی تربیت کے علاوہ درس وتدریس کا اہتمام بھی ہے۔کارکنان قضاوقدر سے کیا بعید ہے کہ یہی دارالاخلاص ایک روز منبع فیض ثابت ہو۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

میں اپنی گزارشات اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ جناب مجددی صاحب کا شبدیز قلم اسی طرح صفحہ قرطاس پر جولانیاں دکھاتا رہے۔فقط

''ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد''

لاہور-۲۳ ربیع الثانی،۱۴۲۰ھ

بمطابق ۱۶ اگست ۱۹۹۹ء

محمد عالم مختار حق لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

مقدمۂ مترجم

الحمد للہ خالق الارواح والاجساد وھو قادر علی الاضداد والرّحیم الذی رؤف بالعباد وانبت الیہ لما ھواجود الاجواد والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین الذی کان نبیا و آدم بین الماء والطین وعلیٰ الہ الطیبین الطاھرین وصحبہ اجمعین وعلیٰ سائر الارواح الکاملین.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت انسان کو اپنی تمام مخلوقات میں سے معزز و مکرم بنا کر اپنی خلافت و نیابت کے لیے منتخب فرمالیا اور ابتدا ہی میں اُس کی امتیازی صفات اور خصائص کو باقی مخلوقات پر آشکار فرمایا جن میں پاک اور نورانی فرشتے بھی شامل تھے۔

اس نوازشِ عظیم کے علاوہ بھی روزِ اوّل سے لے کر ابد لآباد تک تمام فضیلتوں اور سعادتوں کو اولادِ آدم کے لیے مخصوص اور وقف فرما دیا۔ حتیٰ کہ اپنی ذات وصفات اور کمالات کے ظہور کا آئینہ بھی اس ''مشت خاک'' کو بنا دیا اور پھر اس ''مشت خاک'' اور پیکرِ آب وگل کو نورِ ایمان سے منوّر و مزین فرما کر باعث تخلیق کائنات قرار دیا۔

انسان کیا ہے؟ بظاہر جسم و روح کا سادہ مگر پُر وقار مجموعہ اور باطن میں اپنے خالق و مالک کی ذات وصفات کے ظہور کا چمکدار آئینہ، جسے روح کے ساتھ ساتھ اپنے لیے پیدا کی گئی ہر چیز کی حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو پابند ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کے فراہم کردہ نور کی راہنمائی میں اس کی تلاش میں نکلے اور اُس کی ذات وصفات کا عرفان حاصل کر کے اُس کی بارگاہ میں سُرخرو ہو۔ کمال یہ کہ منزلِ معرفت کے تمام راستے انسان کے اپنے وجود میں سے ہو کر نکلتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

من عرف نفسہ' فقد عرف ربّہ

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔

دوسرے الفاظ میں انسان کی تفہیم و تعلیم کے لیے اُسے اپنی ہی ذات کی گتھیاں سلجھانے اور اپنے ہی وجود کے عقدے کھولنے پر مامور کر دیا گیا ہے۔

سبحان اللہ! کیا دلچسپ، صبر آزما اور جگر سوز امتحان ہے، جس کے آغاز و انجام کا درمیانی دور دلوں کو پاش پاش اور پتوں کو پانی کر دیتا ہے۔ خالق عرض و سماء نے اس کائنات کو دو حصوں میں تقسیم فرما کر ایک حصے کو ''عالم خلق'' اور دوسرے حصے کو ''عالم امر'' سے موسوم کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۔ (الاعراف: ۵۴)

''اُسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا''۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''صوفیہ کرام نے فرمایا ہے، ''عالم خلق'' میں عرش کا وجود اور جو کچھ عرش سے نیچے زمین و آسمان میں اور ان کے درمیان موجود ہے سب کچھ شامل ہے۔ اس طرح عناصر اربعہ یعنی آگ، ہوا، مٹی، پانی اور ان سے پیدا ہونے والی سب چیزیں اس میں شامل ہیں۔ وہ نفوس حیوانی ہوں، نفوس نباتاتی ہوں، یا معدنی، یہی اجسام لطیفہ ہیں جو ان اجسام کثیفہ میں گردش کر رہے ہیں، ان سب کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ جبکہ ''عالم امر'' سے مراد مجردات ہیں یعنی (لطائف خمسہ) قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔ یہ فوق العرش ہیں اور یہ نفس انسانیہ، ملکیہ، اور شیطانیہ میں یوں رچے ہوئے ہیں جیسے سورج کی شعائیں آئینہ میں ہوتی ہیں۔ لطائف کو ''عالم امر'' اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی مادہ سے نہیں بلکہ ''امرِ کُن'' سے پیدا کیا ہے اور امام بغوی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان بن عیینہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عالم امر اور عالم خلق دو مختلف چیزیں ہیں، جس نے ان دونوں کو ایک جانا اُس نے کفر کیا''۔(۱)

عالم امر کی مزید وضاحت:

عالم امر سے مراد وہ اُمور ہیں جو رب العالمین کی ذات پاک کی طرف سے تدبیر فرمائے جاتے

ہیں اور اُس کی کرسی قدرت سے صادر فرمائے جاتے ہیں اور اُس کی تمام سلطنت میں چلائے جاتے ہیں۔

عالم امر بہت زیادہ وسعت پذیر ہے۔اس کی حدود عرش معلیٰ کے نیچے کرسی قدرت سے شروع ہوتی ہیں اور تمام کائنات کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔

حضرت سیدنا امام ربانی مجددّ الف ثانی قدس سرہٗ وجود انسانی کی جامعیت وکاملیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آدمی ایک جامع نسخہ ہے جو کہ اجزائے عشرہ سے مرکب ہے۔عناصر اربعہ (آگ، ہوا، مٹی، پانی) اور نفس ناطقہ اور قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ، علاوہ ازیں اعضاء جسمانی وحواس ظاہری، انہی دس اجزاء سے متعلق ہیں اور یہ اجزاء ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ آگ، ہوا، مٹی اور پانی کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا واضح ہے۔اسی طرح عالم خلق اور عالم امر کا ایک دوسرے سے امتیازی فرق نمایاں ہے۔عالم امر سے تعلق رکھنے والا ہر لطیفہ ایک خاص کیفیت کا حامل ہے اور ایک منفرد کمال سے وابستہ ہے۔جبکہ نفس انسانی اپنی خواہش کے تابع ہو کر کسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہیں ہے۔حق تعالیٰ کی عنایت ومہربانی نے ان مختلف مزاج اور احوال پر مبنی چیزوں کو اپنی قدرت کاملہ سے ان میں سے ہر ایک کے مزاج وکیفیات کی تیزی کو رد فرما کر ان کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور ایک خاص مزاج ان کو عطا کیا ہے۔مزاج خاص اور اشتراک ترکیبی کے حصول کے بعد اپنی حکمت کاملہ سے اس کو ایک صورت بخشی ہے تاکہ وہ ان متفرق اور متضاد اجزاء کی حفاظت کرے۔اس مجموعے کا نام اللہ تعالیٰ نے انسان رکھا اور جامعیت اور حصول ہیئت وحدانی کے اعتبار سے اسے استعداد خلافت کی بزرگی سے مشرف فرمایا اور یہ نعمت انسان کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔

یہ کائنات (عالم اکبر) اگرچہ بڑی ہے لیکن جامعیت سے محروم اور ہیئت واحدانی سے بے نصیب ہے جبکہ یہ خوبی تمام بنی نوع انسان میں یکساں طور پر موجود ہے اور خواص وعوام اس میں برابر کے شریک ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عالم کبیر میں سے بزرگ ترین جزو عرش معلیٰ ہے اور اُس کی مخصوص تجلی دیگر اجزاء کی تجلیوں سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ تجلی جامع ہے اور وہ ظہور اسماء وصفات وجوبی جل شانہٗ کا مستجمع ہے اور پھر وہ تجلی دائمی ہے۔اس میں پوشیدگی کی گنجائش نہیں ہے اور انسان کامل کا دل جو کہ عرش سے مناسبت رکھتا ہے اور اُسے عرش الٰہی کہتے ہیں،اس تجلی عرشی سے وافر حصہ اور کامل حظ رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ تجلی کلی ہے اور یہ تجلی اُس کی نسبت جزوی ہے لیکن قلب کو ایک اور فضیلت حاصل ہے جو عرش مجید کو نہیں ہے اور وہ تجلی والے یعنی حق تعالیٰ کا شعور ہے اور پھر دل ایک ایسا مظہر ہے جو اپنے ظاہر سے وابستگی رکھتا ہے برخلاف عرش کے کہ وہ اس وابستگی سے خالی ہے۔یوں لازماً دل کے لیے اس شعور و وابستگی مقصود کی وجہ سے ترقی ممکن بلکہ ثابت ہے۔

کیونکہ بمطابق حدیث شریف "المرء مع من احب" (آدمی اُس کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھتا ہے)۔اسی طرح قلب بھی اُسی کے ساتھ ہے جس کے ساتھ وہ محبت اور وارفتگی رکھتا ہے۔اگر دل کی محبت اسماء وصفات تک محدود ہے تو اسماء وصفات کے ساتھ ہے اور اگر عاشق ذات (تعالیٰ وتقدس) ہے تو وہاں کی معیت اُسے حاصل ہے اور اسماء وصفات کی گرفتاری سے آزاد ہے۔اس کے برعکس عرشِ مجید پر اسماء وصفات سے خالی تجلی کا وجود ظاہر نہیں ہے۔(۳)

حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے روح اور اُس کے دائرہ کار کے حوالے سے نہایت جامع اور مدلل گفتگو فرمائی ہے۔شرعی اور عقلی کسوٹی پر روح کے مدارج،ادراکات اور تصرفات کو پرکھنے کے بعد اہل فکر ونظر کو دعوت غور وفکر دی ہے۔ہمارا مقصد امام رازی کی راہنمائی میں دیگر ائمہ کے تعاون سے روح کے متعلقات کو سلیس انداز میں مزید وضاحت کے ساتھ پیش کرنا ہے۔لہذا ہم اپنی تحریر وتحقیق کو دائرۂ روح تک محدود رکھتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اچھی طرح سمجھ لو کہ ہستی روح کا علم ضروری ہے اور اس کی کیفیت سے عقل عاجز ہے۔عالموں اور حکیموں نے اگرچہ اپنے قیاس کے مطابق اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہا ہے اور

کافروں کے طبقات نے بھی اس میں کلام کیا ہے۔ جب یہودیوں کی تعلیم سے کفار قریش نے نضر بن حارث کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرے تو اللہ تعالیٰ نے حبیب پاک ﷺ کو اس بارے میں ارشاد فرمایا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ. (الاسراء: ۸۵)

''اور وہ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیں کہ روح میرے رب کا امر ہے''۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ روح سرچشمۂ حیات ہے۔ جسم اس سے زندہ ہوتا ہے۔ دوسری جماعت والے کہتے ہیں کہ روح ایک جوہر ہے جس کے بغیر زندگی کا وجود روا نہیں ہوتا جیسے جسم بلا روح معتدل نہیں ہوتا۔ (۴)

روح کا جسم سے دور جا کر بھی اس سے وابستہ اور متعلق رہنا اور اس کے کمال لطافت اور اس کے وسعت ادراک کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ احادیث و روایات میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''روح کے دس درجات ہیں، اوّل یقینی طور پر گنہگاروں کی روحیں جو ظلمت کدہ عذاب میں مقید ہیں۔ وہ نہیں جانتیں کہ اُن کے ساتھ کیا ہوگا۔ دوسری روحیں نیک اور زاہد لوگوں کی ہیں جو آسمانوں میں اپنے اپنے اعمال کے بدلہ میں خوش و خرم ہیں اور بطاعت الٰہی مسرور ہیں۔ تیسری ارواح مریدین کی ہیں کہ آسمان چہارم میں لذت صدق اعمال کے ساتھ سایہ اعمال میں ملائکہ کے ساتھ ہیں۔ چوتھی ارواح اُن کی جو اہل زمین سے ہیں، وہ قنادیل عرش میں رہتی ہیں، اُن کی غذا رحمت اور اُن کا مشروب لطف و قربت ہے۔ پانچویں وہ ارواحِ اہلِ وفا ہیں جو حجاب صفا و مقام اصطفا میں باعیش و طرب ہیں۔ چھٹی ارواحِ شہداء ہیں جو مرغان بہشت کے اجسام میں ریاض خلد میں ہیں، وہ جہاں چاہیں سیر کریں۔ اُن کے لیے وقت کی قید نہیں۔ ساتویں ارواح مشتاقان ہیں کہ وہ پردہ ہائے انوار صفات میں بساط ادب پر مقیم ہیں۔ آٹھویں ارواح عارفان ہیں کہ وہ کوشک قدس میں رات دن کلام الٰہی سننے میں مست ہیں اور وہ اپنے اماکن و مقام بہشت اور دنیا دونوں دیکھتے ہیں۔ نویں ارواح دوستانِ خاص ہیں

کہ وہ مشاہدۂ جمال ومقام کشف میں مستغرق ہیں اور وہ سوائے جمال جمیل کے کسی اور کو نہیں جانتے۔ یہ محبوب کے جلوے کے سوا کسی سے نیاز مندی نہیں رکھتے۔ دسویں ارواحِ درویشان ہیں کہ وہ مقام فنا میں مقرب ہیں، اُن کے اوصاف متبدل اور احوال متغیر ہوتے ہیں۔(۵)

حدیث مبارکہ میں ہے:

ان اللہ خلق الارواح قبل الاجساد بالفی عام . (٦)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے روحوں کو اجسام سے دو ہزار سال قبل پیدا کیا''۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ نے ارواح کے قبل از اجسام ہونے پر کئی اکابرین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ روحیں اجسام سے قبل کی ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے بلوایا اور اُن سے گواہی لی۔(۷)

عام اجسام اگرچہ زمین کی خوراک بن جاتے ہیں لیکن ارواح باقی رہتی ہیں۔ دیکھتی ہیں، پہچانتی ہیں، خوش وغمگین ہوتی ہیں اور عام حالات میں بھی تمام انسانی جذبات واحساسات کے پیچھے روح کی ہی قوت کارفرما ہوتی ہے۔ یعنی زندہ انسان کی حیات سے متعلق تمام لذتیں اور راحتیں بھی روح کی مرہون منت ہیں۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام برزخ کا نمونہ ہمیں دنیا کے اندر ہی دکھا دیا ہے۔ بعض اوقات سونے والا جب خواب میں کوئی ڈراؤنی بات دیکھتا ہے تو اس سے اُس کی روح پریشان ہو جاتی ہے اور اُس کا اثر جسم پر بھی پڑتا ہے۔ حالانکہ خواب سے جسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سونے والا دیکھتا ہے کہ اُسے کسی نے پیٹا ہے، جس کے درد سے وہ چیختا ہے اور جاگ اُٹھتا ہے اور پیٹنے کا نشان اور بدن میں اُس کی تکلیف موجود ہوتی ہے اور کسی وقت دیکھتا ہے کہ خواب میں اُس نے کچھ کھا پی لیا ہے اور بیدار ہونے کے بعد اُس کا مزہ منہ میں پاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ تم سونے والے کو دیکھتے ہو کہ وہ نیند کی حالت میں ہی کھڑا ہو جاتا ہے، مارتا ہے، پکڑتا ہے اور دھکیلتا ہے گویا وہ جاگ رہا ہے۔ حالانکہ اُسے کسی بات کا بھی

شعور نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حکم روح پر صادر ہوتا ہے تو وہ خارجی طور پر بدن سے مدد چاہتی ہے۔تو جس وقت روح کو راحت یا تکلیف پہنچتی ہے تو اُس کا اثر بطریق تبعیت بدن بھی محسوس کرتا ہے، یہی حال برزخ کا ہے۔(۸)

صحیحین کی حدیث میں ہے: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنائے جیسا کہ میں سُنتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خاص بندوں کو احوال قبور و برزخ کا مشاہدہ بھی کرواتا ہے اور روح کی وسعت و تصرفات کا تماشا بھی دکھاتا ہے۔علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں ایسے بے شمار واقعات مستند حوالوں سے نقل کیے ہیں۔سلام بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ اور مدینہ کے مابین سفر کر رہا تھا۔میں اپنی سانڈنی پر سوار تھا۔پانی کی مشک میرے ساتھ تھی۔ایک قبرستان سے میرا گزر ہوا۔میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنی قبر سے نکلا۔اُس کے تمام بدن پر آگ روشن تھی، ایک زنجیر اُس کی گردن میں پڑی ہوئی تھی۔مجھے کہنے لگا اے عبداللہ! مجھ پر پانی چھڑک دے۔تو میں بڑا حیران ہوا کہ اُسے میرا نام کیسے پتہ چلا۔اُسی لحہ ایک دوسرا آدمی نکلا۔اُس نے کہا اے عبداللہ! ہرگز نہ چھڑکنا۔پھر وہ آدمی زنجیر سمیت قبر میں چلا گیا۔یہ سب دیکھ کر عبداللہ پر غشی طاری ہوگئی۔اونٹنی مضطرب ہوکر انہیں ادھر اُدھر لیے پھری۔اس واقعہ کی ہولناکی سے اُن کے بال سفید ہوگئے، اُنھوں نے یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ سے بیان کیا۔(۹)

کیفیت قبض روح کے بارے میں لکھتے ہیں: جس وقت روح نکلتی ہے اُس وقت اتنی روشنی ہوتی ہے جیسے سورج چمکتا ہے اور مشک سے بڑھ کر خوشبو ہوتی ہے لیکن حاضرین نہ اُس روشنی کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی خوشبو کو سونگھ سکتے ہیں۔پھر یہ روح فرشتوں کے ساتھ جاتی ہے۔حاضرین اُسے بھی نہیں دیکھتے۔پھر یہ روح لوٹ کر مردے کے کفن اور بدن کے غسل کو دیکھتی ہے اور لوگوں کے جنازہ لے جانے کا نظارہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے جلدی لے چلو۔(۱۰)

روح بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور آدم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ تمام بنی

نوع انسان کی روحیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمہ جس کو خدا نے مریم کی طرف بھیجا، وہ لفظ ''کُن'' تھا۔ اس کلمہ کُن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجود میں آئے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام خود کلمہ کُن تھے اور کلمہ کُن حق تعالیٰ کا قول ہے اور یہ مخلوق نہیں ہے بلکہ غیر مخلوق اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

علامہ ابن قیم اولاد آدم کے اجسام میں روح پھونکنے کے متعلق فرماتے ہیں: فرشتہ اللہ کے حکم سے اپنی روح کی استعداد کے مطابق بچے مین روح پھونکتا ہے، فرشتے کے اس پھونکنے سے بچے میں روح پیدا ہو جاتی ہے۔ پس فرشتے کی یہ پھونک بچے میں روح کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے جیسا کہ جماع وانزال بچہ کے جسم کا سبب بنتا ہے اور غذا اس جسم کی نشونما کا سبب ہوتی ہے۔ مادہ روح فرشتے کی پھونک ہے اور مادہ جسم رحم میں قطرہ منی ہے۔ پہلا مادہ سماوی اور دوسرا ارضی ہے۔

بعض ایسے ہیں جن پر سماوی مادہ غالب آجاتا ہے۔ ان کی روحیں اعلیٰ مقام کو پہنچ جاتی ہیں اور وہ فرشتوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جن میں مادہ ارضیہ یعنی مٹی کے اجزاء غالب ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کی روح کم درجہ اور ذلیل ہو جاتی ہے۔ پس فرشتے کو روح انسانی کا باپ اور مٹی کو جسم انسانی کی ماں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''روحیں آراستہ و پیراستہ لشکر ہیں، جن میں وہاں تعارف ہو گیا، اُن میں محبت ہو گئی اور جن میں وہاں اختلاف ہو گیا، اُن میں یہاں نفرت ہو گئی''۔ (۱۲)

حضراتِ صوفیہ کرام کی تحقیق کے مطابق روح کی دو بنیادی اقسام ہیں:

۱) روح حیوانی ۲) روح انسانی

روح حیوانی ایک جسم ہے جو لطیف و شفاف اور لذاتہ زندہ ہے اور مادی جسموں کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے، جس طرح سرسبز شاخ میں پانی رچا ہوا ہوتا ہے۔ (۱۳)

روح انسانی جسے روح ملکوتی اور لطیفہ روحی بھی کہتے ہیں۔ انسانی وجود کا سب سے اعلیٰ شعبہ ہے۔ اس کے باعث انسان نسخہ جامعہ، عالم صغیر اور مظہر صفات باری تعالیٰ ہے۔

اس کی تعریف میں مزید توضیحی اقوال اکابر محققین کے حوالے سے ہم آگے نقل کریں گے۔ حقیقت وجود انسانی کے حوالے سے اقبال کا یہ شعر قابل غور اور امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کی تحریر کا خلاصہ ہے:

؎ اگر نہ ہو تجھے اُلجھن تو کھول کر کہہ دوں

وجود حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن

روح کا تعلق ابتدائی طور پر روح حیوانی سے ہوتا ہے اور روح حیوانی کا تعلق قلب سے ہے، اس طرح سے جسم میں روح حیوانی کی وساطت سے روح انسانی کا تعلق قلب سے ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق دماغ سے ہے جو کہ غلط ہے۔ مشائی یعنی ارسطو کے مقلدین جن کا فلسفہ دوسروں کی نسبت زیادہ منضبط شکل میں ہم تک پہنچا ہے، وہ دو لفظ استعمال کرتے ہیں۔ نفس اور عقل، جن میں سے نفس روح اور عقل اس کی ایک شاخ ہے۔ نفس کا مسکن یا تعلق قلب سے ہے۔ اس خیال کی تائید اس عملی تجربہ سے بھی ہوتی ہے کہ دل کی حرکت بند ہو جانے سے انسانی موت واقعہ ہو جاتی ہے مگر دماغ کے خراب ہو جانے سے انسان مرتا نہیں۔ گویا انسانی جسم کی ساخت بھی اس رائے کی مؤید ہے کہ روح قلب میں رہتی ہے اور دماغ میں نہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ روح حیوانی کا تعلق قلب سے ہے اور روح حیوانی بمنزلہ سواری کے ہے اور روح انسانی اس پر سوار ہے۔ اس لحاظ سے روح انسانی کا تعلق بھی قلب سے ثابت ہوگا۔ صوفیہ کرام بھی قلب ہی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور بعض اوقات قلب کہہ کر اس سے روح مراد لی جاتی ہے۔ بندہ کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور یہ تمام اسرار الٰہیہ اور تمام اعیان مخلوقات کے دوائر کا احاطہ کرنے والا ہے۔

قرآن کریم کو بھی اللہ تعالیٰ نے قلب پر ہی نازل کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ ۔ (۱۴)۔

"اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا آپ کے قلب پر"۔

قلب سے مراد صوفیہ کرام قلب صنوبری نہیں لیتے بلکہ وہ لطیفہ نورانی قلب ہوتا ہے جس کا تعلق

قلب صنوبری سے ہے۔روح حیوانی ہی کے قلب سے بے تعلق ہو جانے کا نام موت ہے۔اس بے تعلقی سے انسان کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے جو درخت کی جڑیں کاٹ دینے کے بعد درخت کی ہو جاتی ہے کہ اُس کا تغذیہ بند ہو جاتا ہے اور وہ خشک ہو کر جل سڑ جاتا ہے، یعنی مر جاتا ہے۔ چنانچہ طبیب یہی کہتے ہیں کہ اس بخار لطیف کا اصلی معدن قلب و دماغ و جگر ہے۔ بس اسی میں طب کی تدبیر کا تصرف جاری ہوتا ہے۔

اس کے ماوریٰ جو روح انسانی ہے اُس تک نہ طبیب پہنچ سکتا ہے نہ ڈاکٹر اور نہ ہی سائنس کی نگاہ اس حد تک پہنچ سکتی ہے۔اس کی غذا بھی الگ ہے اور اس کی زندگی و موت بھی الگ ہے۔تصوف کا موضوع اصلاح باطن ہے اور اس کا مدار اصلاح قلب پر ہے کیونکہ اصلی مکلف قلب ہے، مخاطب قلب ہے، عالم، متکلم، فاہم قلب ہے۔سمع و بصر رکھنے والا قلب ہے۔ ماخوذ قلب ہے۔ باقی بدن سے اس کا تعلق صرف تدبر و تصرف کا ہے۔آنکھیں اور کان قلب کے جاسوس ہیں۔زبان قلب کی ترجمان ہے۔اصل انسان اور بدن کا بادشاہ قلب ہے۔اسی طرح عقل کا مقام بھی قلب ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ . (۱۵)

''اُن کے دل ہوتے کہ اُن سے سمجھنے لگتے''۔

اسی طرح مرکز تقویٰ بھی قلب ہی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى . (۱۶)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے''۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ . (۱۷)

''بے شک اُس نے قرآن کو آپ کے قلب پر نازل کیا''۔

ثابت ہوا کہ حقیقت میں مخاطب قلب ہے کیونکہ یہی مقام تمیز و اختیار کا ہے اور باقی اعضٔ کے ماتحت ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ ۔ (۱۸)

''تحقیق اس میں اُس شخص کے لیے بڑی نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہو''۔

اسی طرح جزاوسزا کا تعلق بھی احوال قلب سے ہے:

وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ ۔ (۱۹)

''لیکن مؤاخذہ فرمائیں گے اُس چیز پر جو تمہارے دلوں نے کمائی ہے''۔

علم وفہم کی ضد کی نسبت قلب کی طرف ہے:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (۲۰)

''اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر کردی''۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (۲۱)

''اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر پردہ ہے''۔

بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (۲۲)

بلکہ اُن کے دلوں پر غبار ہے''۔

لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا (۲۳)

''اُن کے دل ہیں مگر وہ اُن سے سمجھتے نہیں''۔

لہذا ثابت ہوگیا کہ جہالت اور غفلت کا مقام بھی قلب ہی ہے۔

ایمان کا مرکز قلب:

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ (۲۴)

''وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے''۔

قلب کی بیماری اور علاج:

گناہوں کی وجہ سے قلب اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی ۔ (بنی اسرائیل: ۷۲)

''جواس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا''۔

یہ اندھا پن ظاہری آنکھوں کا نہیں کیونکہ ظاہری آنکھوں سے اندھا آخرت میں بینا ہو جائے گا۔اس کی تشریح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ . (۲۵)

''تحقیق آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں''۔

جس طرح جسم کی بیماری دور کرنے کے لیے طبیب جسمانی کے پاس جانا پڑتا ہے اسی طرح اس روحانی بیماری کے لیے معالج روحانی کے پاس جانا پڑے گا۔وہ جب اس کا علاج ذکر وفکر اور توجہ باطنی سے کرے گا تو وہ قلب سقیم قلب سلیم بن جائے گا اور یہی قلب سلیم اخروی فلاح کے لیے راس المال بن جاتا ہے۔

يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ . (۲۶)

''روز قیامت نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد مگر وہ (فائدہ میں ہے) جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے گا''۔

قلب سلیم ہونے کے لیے دو شرائط ہیں: اوّل صحت از امراض۔قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر، شرک، شک اور خواہشات کی پیروی کو قرار دیا ہے۔ان امراض سے صحت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ کسی کامل روحانی معالج سے علاج کرایا جائے۔دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے، جس طرح غذائے صالح سے جسم صحت منداور قوی ہو جاتا ہے، اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لیے بھی غذائے صالح درکار ہے، مگر قلب کی غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے، قلب کے لیے غذا کی نشاندہی یوں کی گئی ہے:

اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡب . (۲۷)

''سن لو ذکر الٰہی سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں''۔

دوائے قلب اور غذائے روح عارفین وکاملین کی بارگاہ کے سوا کہیں سے نہیں ملتی۔(۲۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۔ (۲۹)

''وہ زبانوں سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اُن کے دل ایمان قبول نہیں کرتے''۔

قرآن عظیم الشان میں یہ اُن لوگوں کے لیے آیا ہے جو کفر کی طرف جلد راغب ہونے والے ہوتے ہیں اور یہ منافق کی واضح نشانی ہے۔جس شخص میں یہ کیفیت پائی جائے، اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ منافق ہے۔منافقت بھی روحانی امراض میں سے ہے اور یہ کفر کی طرف لے جانے والی بیماری ہے۔ منافقت کو ملاوٹ، دوغلا پن اور تضاد قول و فعل جیسے الفاظ کے ذریعے واضح کیا جا سکتا ہے اور یہ ملاوٹ و خرابی اگر عقائد میں ہو تو کفر ہے۔بصورت دیگر یعنی اعمال میں پائی جائے تو بدترین روحانی مرض ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ (البقرة:۱۰)

''اُن کے دلوں میں بیماری ہے''۔

حضرت محبوب سبحانی قیوم زمانی سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ الاقدس فرماتے ہیں:
یہ بات حکماء کے نزدیک ثابت ہے کہ مریض جب تک بیماریوں سے صحت یاب نہ ہو جائے کوئی غذا اُسے فائدہ نہیں دیتی، اگرچہ بھنا ہوا مرغ ہی کیوں نہ ہو بلکہ ایسی صورت میں تو مرض کو مزید بڑھا دیتی ہے۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود (علتی جو کچھ کرے علت ہی ہے)

پس پہلے اُس کا مرض دور کرنے کی فکر کرتے ہیں بعد ازاں مناسب غذاؤں کے ساتھ آہستہ آہستہ اُس کو اصلی قوت کی طرف لاتے ہیں۔

پس آدمی جب تک مرض قلبی میں مبتلا ہے ''فی قلوبھم مرض'' کوئی عبادت و طاعت اُس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ اُس کے لیے مضر ہے۔حدیث پاک میں ہے:

رب تال للقرآن والقرآن یلعنہ

11/27

''بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے''۔

ورب صائم ليس له من صيامه الاالجوع والظماء

''بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ اُن کے نصیب میں نہیں ہوتا''۔خبر صحیح ہے۔(۳۰)

قلبی بیماریوں کا علاج کرنے والے طبیب یعنی مشائخ کرام بھی پہلے بیماری کو دور کرنے کا بندوبست کرتے ہیں۔اس مرض سے مراد ماسوائے حق کی گرفتاری ہے بلکہ اپنے نفس کی خدمتگاری ہے کیونکہ ہر ایک شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے۔اگر اولاد سے محبت رکھتا ہے تو اپنے لیے اور اگر مال وحکومت اور جاہ ومنصب کی خواہش کرتا ہے تو اپنے لیے۔پس درحقیقت اُس کا معبود اُس کی اپنی نفسانی خواہش ہے۔لہذا جب تک نفس کی قید سے آزاد نہ ہو جائے،اُس وقت تک نجات کی اُمید مشکل ہے۔پس دانشمند اطباء اور صاحب بصیرت علماء پر اس مرض کے دور کرنے کا فکر لازم ہے۔ (۳۱)

روح کی حقیقت اور دائرہ کار کے حوالے سے مزید تصریحات اکابر محققین کے ارشادات کی روشنی میں پیش کی جاتی ہیں۔

جیسا کہ آپ گزشتہ سطور میں روح حیوانی اور روح انسانی کا تذکرہ ملاحظہ فرما چکے ہیں،اسی تناظر میں روح انسانی اور روح اعظم کا تعارف مزید وضاحت سے کرایا جانا مناسب ہوگا۔

علامہ سید الشریف الجرجانی الحنفی (متوفی ۸۴۶ھ) لکھتے ہیں:

الروح الاعظم:

روح اعظم وہ عظیم انسانی روح ہے جو ذات باری تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا مظہر ہے۔اس لیے کسی ڈھونڈنے والے کے لیے اس کی تلاش ممکن نہیں اور نہ کسی خواہشمند کے لیے اس تک رسائی آسان ہے۔اس کی حقیقت کو سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اس مقام سے (کلیتاً) کوئی اور آشنا ہے۔اس کو ''عقل اول'' ''حقیقت محمدیہ'' ''نفس الواحدۃ'' اور ''حقیقت اسمائیہ'' بھی کہا جاتا

ہے اور یہی وہ پہلا وجود ہے جسے حق تعالیٰ شانہ نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔ یہی خلیفۂ اکبر اور جوہر نورانی ہے جس کی جوہریت مظہر ذات اور نورانیت اُس کے علم کا مظہر ہے۔

جوہریت کے لحاظ سے اُس کو "النفس الواحدۃ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور نورانیت کے اعتبار سے "عقل اول" کہا جاتا ہے۔

جس طرح عالم کبیر (کائنات) میں اس کے مختلف مظاہر اور اسماء ہیں، مثلاً عقل اول، قلم اعلیٰ، نور، نفس کلیہ، لوح محفوظ وغیرہ ایسے ہی عالم صغیر یعنی وجود انسانی میں بھی صوفیۂ کرام کی اصطلاحات کے مطابق اس کے مظاہر و اسماء بلحاظ مراتب وظہورات پائے جاتے ہیں، جیسے سر، خفی، روح، قلب، کلمہ، روع فوائدہ، عقل اور نفس وغیرہ۔ (۳۲)

الروح الانسانی:

روح انسانی ایک لطیفہ روحانی ہے جو علم و ادراک رکھتا ہے اور یہ روح حیوانی پر سوار ہے۔ اس کا تعلق عالم امر سے ہے اور عقلیں اس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہیں۔ یہ روح کبھی بدن سے ملی ہوتی ہے اور کبھی جدا رہتی ہے۔ (۳۳)

حجتہ الاسلام امام غزالی قدس سرہ فرماتے ہیں:

روح عرض نہیں ہے کہ بدن میں حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیز میں اور علم و عالم میں ہوتا ہے بلکہ وہ تو جوہر ہے کیونکہ اپنے آپ اور اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور معقولات کا ادراک رکھتی ہے اور عرض میں یہ صفتیں نہیں ہوتیں اور وہ جسم بھی نہیں کیونکہ جسم تقسیم کو قبول کرتا ہے اور روح منقسم نہیں ہوتی۔

جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ روح ایک غیر منقسم چیز ہے تو اب دو حال سے خالی نہیں یا تو ذی مکاں ہو گی یا لامکاں۔ اس کا ذی مکاں ہونا تو باطل ہے کیونکہ جو چیز ذی مکاں ہوتی ہے تقسیم قبول کرتی ہے اور جزء لایتجزیٰ (یعنی ایسا جزو کہ ذی مکاں تو ہو مگر تجزیہ و تقسیم قبول نہ کرے) دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے۔ (۳۴)

اسی طرح روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج، نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل، کیونکہ یہ صفتیں جسم میں ہوتی ہیں اور روح جسم نہیں۔ لہذا دونوں ضدوں سے الگ ہوئی۔ جیسا کہ پتھر نہ تو عالم ہے نہ جاہل کیونکہ علم اور جہل کے لیے حیات چاہیئے جب حیات ہی نہیں تو علم اور جہل بھی نہیں۔

اس طرح روح محلوں میں حلول کرنے، جسموں کے ساتھ متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں۔ وہ جسم و عرض نہیں وہ تو ان عوارض سے پاک ہے۔

یہ بھی تم نے جان لیا کہ روح جہت اور مکان سے پاک ہے اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع کی اس کو قوت ہے اور یہ مناسبات جسمانی اشیاء میں نہیں ہوتی۔ پس انہی مناسبات کیوجہ سے حق تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور من روحی فرمایا۔ (۳۵)

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ روح اپنے علوم و ادراک اور تصرفات کے اظہار کے لیے حواس جسمانی کی محتاج نہیں ہے کیونکہ وہ بہت ساری ان چیزوں کو اس حال میں بھی جانتی ہے جو غیر محسوس ہیں اور ظاہری اعضاء و حواس اُن کے ادراک سے قاصر ہیں۔

روح انسانی کی حقیقت پر اگر تھوڑا سا غور جذبہ حق طلبی اور خلوص نیت سے کر لیا جائے تو موجودہ دور میں درپیش کئی دینی مسائل جنھیں کفر و شرک تک پہنچا دیا گیا ہے، با آسانی حل کیے جا سکتے ہیں۔ دور سے بعد از وفات کسی بزرگ کو پکارنا اور مدد مانگنا، مسئلہ حاضر و ناظر اور مزارات اولیاء سے روحانی فیض کا حصول۔ یہ سب مسائل اسی وسعت و تصرف روح سے تعلق رکھتے ہیں جسے حق تعالیٰ نے ''امر ربی'' کہنے کا حکم فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ . (۳۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے''۔

اس حدیث پاک کی شرح میں امام غزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں صورت سے معنوی صورت مراد ہے۔ اس میں روح کے اُن مناسبات مذکورہ کی طرف اشارہ ہے جن کا

خدا کی ذات، صفات اورافعال کی طرف رجوع اور منتہا ہے کیونکہ روح کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بذات خود نہ تو عرض ہے، نہ جوہر متحیر، نہ جسم، نہ اس کا کسی جہت اور زمان میں حلول ہے، نہ وہ بدن کے ساتھ متصل ہے اور نہ ہی منفصل، نہ وہ عالم اجسام میں داخل ہے نہ خارج۔ سو یہ سب کی سب ذات الٰہی کی صفات میں داخل ہیں اور روح کی صفتیں یہ ہے کہ حی، عالم، قادر، مرید، سمیع، بصیر، اور متکلم ہے اور حق تعالیٰ میں بھی یہی صفتیں ہیں۔ اسی طرح روح کے افعال یہ ہیں کہ شروع فعل انسانی ارادے سے ہوتا ہے جس کا پہلا اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے، پھر روح حیوانی کے وسیلہ سے کہ وہ ایک بخار لطیف ہے دل کے درمیان سرایت کر کے دماغ کو پہنچتا ہے پھر وہاں سے پٹھوں کی طرف جاتا ہے جو دماغ سے خارج ہیں۔ پھر پٹھوں سے اوتار اور رباطات کی طرف جاتا ہے جو عضلات سے متعلق ہیں، پھر اس سے رگیں کھینچی جاتی ہیں تو اس سے انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور انگلیوں سے مثلاً قلم کو حرکت ہوتی ہے اور قلم سے سیاہی کو تو سیاہی سے کاغذ پر جس صورت کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، وہ صورت ویسی ہی لکھی جاتی ہے جیسا کہ خزانہ خیال میں متصور تھی۔ کیونکہ جب تک مکتوب کی صورت اول خیال میں متصور نہ ہو کاغذ پر اُس کا لکھنا ممکن نہیں۔ ایسے ہی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے افعال اور اُس کے پیدا کرنے کی کیفیت میں غور کیا کہ نباتات اور حیوانات کو آسمان اور ستاروں کی حرکت کے ذریعہ سے پیدا کیا اور آسمان اور ستاروں کو فرشتوں سے حرکت دلائی تو جان لے گا کہ انسان کا تصرف عالم اصغر یعنی بدن میں ایسا ہی ہے جیسا کہ خالق اکبر کا تصرف عالم اکبر میں اور معلوم کرے گا کہ انسان کا دل باعتبار اُس کے تصرف کے بمنزلہ عرش ہے اور دماغ بمنزلہ کرسی ہے اور حواس بمنزلہ ملائکہ کے جو بالطبع اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں یعنی جن کی جبلی عادت خدا کی اطاعت ہے اور امر کے خلاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور پٹھے اور اعضاء کے بمنزلہ آسمانوں کے ہیں اور اُس کی انگلیوں کی طاقت بمنزلہ طبیعت کے ہے جو جسموں میں گڑی ہوئی اور جمی ہوئی ہے اور سیاہی بمنزلہ عناصر کے ہے کہ جمع اور ترکیبیں اور تفریق کے قبول کرنے کے لیے اصل ہیں اور انسانوں کے خیال کا خزانہ بمنزلہ لوح محفوظ کے ہے۔ اب جو کوئی ان مناسبات کی حقیقت پر مطلع ہوگا وہ حدیث نبوی کے مفہوم کو سمجھ لے گا۔

''روح ملائکہ اور روح انسانی''

انسان اور فرشتے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ فرشتہ روح محض ہے اور انسان مجموعہ جسم و روح۔ اسی طرح انسان میں روح حیوانی ہے جو بدن کے نظام کو چلاتی ہے لیکن فرشتہ روح حیوانی کے بغیر تفویض کیے گئے اُمور کو سرانجام دیتا ہے۔انسانی روح میں اور دیگر تمام مخلوقات کی ارواح میں بلحاظ علم و ادراک اور لطافت کے کافی فرق پایا جاتا ہے۔

بعض اُمور کی انجام دہی کے لیے ملائکہ جسم اختیار کر لیتے ہیں جیسا کہ حضرت جبرائیل امین علی نبینا وعلیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ' کی شکل میں تشریف لائے۔اس کے علاوہ حضرت بی بی مریم سلام اللہ علیہا کے پاس انسانی صورت میں تشریف لائے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

فارسلنا إليها روحنا فتمثل لها بشرا سويا. (٣٨)

''ہم نے بھیجا اُس کی طرف اپنی روح کو پس وہ ہو گیا اُس کے سامنے بشر کی مانند''۔

ایسے ہی بعض کاملین کی ارواح بھی مختلف اجسام اختیار کر کے اللہ کے حکم سے بعض تکوینی اُمور سرانجام دیتی ہیں۔

حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما الصلوۃ والسلام روحانیوں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔اسی روحانی ملاقات میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں، حق سبحانہ' وتعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات اور جسدی طاعات و عبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتے ہیں۔(٣٩)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ' مزید فرماتے ہیں:

جب جنات کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عجیب و غریب کام کریں تو اگر کاملین کی ارواح کو یہ کام بخش دیں تو کون سی تعجب کی بات ہے اور

دوسرے بدن کی اُن کو کون سی حاجت ہے۔ اس قسم کی ہیں وہ حکایات جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانات میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف اُمور اُن سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہاں بھی اُن کے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس عزیز (حضرت مجدد الف ثانی ہی مراد ہیں) کا حال ہے جو ہندوستان میں مقیم ہے اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا۔ مگر بعض حضرات مکہ معظمہ سے آکر کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا اور ہمارے اور اس کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے اسے روم میں دیکھا اور بعض بغداد میں دیکھ کر آتے ہیں۔ یہ سب اس عزیز کے لطائف ہیں جو مختلف اشکال میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس عزیز کو اس بارے میں اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور فوت شدہ بزرگوں سے مصیبت و پریشانی کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اُن بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر اُن کی بلا کو دفع کیا ہے اور اُن بزرگوں کو ان معاملات کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ یہ بھی اُن بزرگوں کے لطائف کی اشکال ہیں۔ یہ اشکال کبھی عالم ظاہر میں ہوتی ہیں اور کبھی عالم مثال میں۔ جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں۔ اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ (۴۰)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ "اذا جاء احدکم الموت (الخ) کی تفسیر میں ملک الموت عزرائیل علیہ السلام کی باذن اللہ قوت و تصرف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکذلک یجعل لنفوس بعض اولیائه فانهم یظهرون ان شاء الله تعالیٰ فی ان واحد فی امکنته شتے باجسادهم المکتبته ....الخ (۴۱)

"ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص ولیوں کی ارواح کو یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی قدرت سے ایک لحہ میں مختلف مقامات پر مثالی جسموں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں"۔ حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''جب میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور نبی کریم ﷺ کے روضہ مقدسہ کی زیارت کی تو میں نے آپ کی روح اقدس کو عیاں اور ظاہر دیکھا اور عالم ارواح میں نہیں بلکہ عالم محسوسات سے قریب جو عالم مثال ہے۔ میں نے اُس میں آپ کی روح کو دیکھا۔ چنانچہ اُس وقت میں سمجھا کہ عوام مسلمانوں کا یہ جو کہنا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نمازوں میں جو تشریف لاتے ہیں اور نمازیوں کے امام بنتے ہیں اور اس طرح جو وہ اور باتیں کہتے ہیں، وہ سب اسی نازک مسئلہ سے متعلق ہیں۔

بعد ازاں میں نے نبی اکرم ﷺ کی بلند مرتبہ اور مقدس قبر کی طرف بار بار توجہ کی تو آپ میرے سامنے لطیف در لطیف صورت میں ظہور فرما ہوئے۔ چنانچہ کبھی آپ مجرد عظمت وجلال کی صورت میں ظہور فرماتے اور کبھی جذب وشوق اور اُنس وانشراح کی صورت میں نظر آتے، کبھی اس طرح کی جاری وساری صورت میں ظاہر ہوتے کہ مجھے خیال ہوتا کہ تمام کی تمام فضاء آپ کی روح مبارکہ سے بھری ہوئی ہے اور آپ کی روح اس فضاء میں تیز ہوا کی طرح یوں حرکت کر رہی ہے کہ دیکھنے والا اس میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ وہ اُس کی موجودگی میں دوسری لطافتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ نیز میں نے یہ محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ بار بار مجھے اپنی وہ صورت مبارک دکھاتے ہیں جو آپ کی اس دنیا کی زندگی میں تھی اور آپ مجھے اپنی یہ صورت اس حالت میں دکھا رہے تھے جب کہ میری تمام توجہ آپ کی روحانیت کی طرف تھی نہ کہ آپ کی جسمانیت کی طرف۔ اس سے میں یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی روح جسمانی شکل میں صورت پذیر ہو سکتی ہے۔۔۔۔(الخ-۴۲)

روح کے متعلق مباحث کو سمیٹتے ہوئے ہم ایک مرتبہ پھر روح کی تعریف اور اصلیت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ عقائد اسلام کی معتبر اور معروف کتب میں سے ایک کتاب ''التمہید فی بیان التوحید'' میں امام محمد بن سعید المعروف ابو شکور السالمی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

اجمع المسلمون علی ان الروح مخلوق محدث الا انه لا فناء له فانه کما خرج من الجسد فان ارواح المتقین تکون فی دار النعیم کما قال اللہ تعالیٰ ان

كتاب الابرار لفى عليين. وارواح المجرمين فى دارالجحيم كما قال الله تعالىٰ كلا ان كتاب الفجار لفى سجين. ثم يعود الروح الى جسده ويقوم للحساب بامر الله تعالىٰ يوم التناد فيكون فى الجنة او فى النار مع جسده (۴۳)

''مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ روح مخلوق ہے اور پیدا کی گئی ہے مگر اس کے لیے فنا نہیں ہے، پس جب یہ بدن سے خارج ہوتی ہے تو پرہیزگاروں کی روحیں جنت میں پہنچ جاتی ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ نیکوکار بلاشبہ مقام علیین میں ہوں گے جب کہ گناہگاروں کی روحیں جہنم میں چلی جائیں گی جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ نافرمان بلاشبہ مقام سجین میں ہوں گے۔ پھر روح جسم کی طرف دوبارہ لوٹ آتی ہے اور اللہ کے حکم سے روز قیامت حساب کے بعد جنت یا دوزخ میں مع الجسم جائے گی''۔

اعمال میں روح وجسم کی شراکت کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ ابوشکور السالمی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

ولا ان الاجساد اشتركت بالروح فى الذنب فكذلك يوجب الاشتراك فى الجزاء والدليل عليه قوله تعالىٰ "يوم تاتى كل نفس تجادل عن نفسها" يعنى النفس تجادل مع الروح بان الذنب منك وقوله تعالىٰ ثم انكم يوم القيامة تختصمون ذكر فى التفسير ان الروح يخاصم الجسد والجسد يخاصم الروح .

وروى عن على ابن ابى طالب رضى الله عنه' انه قال: ان الله تعالىٰ خلق الارواح من النور والنار والريح خلق الارواح الا دميين من النور و خلق ارواح الشيطين من النار و ارواح الطيور من الريح . (۴۴)

ترجمہ: اجسام گناہ میں روح کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، یونہی سزا میں بھی دونوں کی شراکت لازم ہے۔ اس پر قرآن عظیم الشان کی یہ آیت دلیل ہے:

ترجمہ: جس دن ہر نفس اپنے نفس سے جھگڑا کرے گا یعنی جسم روح کے ساتھ لڑے گا۔ ایک

کہے گا کہ گناہ تو نے کیا تھا اور دوسرا کہے گا کہ گناہ تو نے کیا تھا۔ ارشاد باری ہے:

''پھر بے شک تم لوگ قیامت کے دن جھگڑتے ہوگے''۔

اس کی تفسیر میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جسم روح سے جھگڑے گا اور روح جسم سے لڑے گی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے روحوں کو نور، آگ اور ہوا سے پیدا کیا ہے۔ انسانوں کی ارواح کو نور سے، شیاطین کی روحوں کو آگ سے اور پرندوں کی روحوں کو ہوا سے پیدا فرمایا ہے۔

خاتم الحفاظ علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور قول (''من عرف نفسه فقد عرف ربه'') کے بارے میں پوچھے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے بعض اکابر صوفیا کے نہایت قیمتی اور اہم ارشادات نقل فرمائے ہیں۔ انہی میں سے ایک بزرگ کی تحقیق نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حضرت شیخ عزالدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں، اس قول سے متعلق رازوں میں سے ایک راز مجھ پر کھلا ہے جس کا اظہار ضروری اور اُس کی توصیف مستحسن ہے۔ وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس لطیف روح کو جو لطیفہ لاہوتی ہے اُس پیکر جسمانی میں رکھا ہے جو ناسوتی آلائشوں سے اٹا پڑا ہے۔ یہ بھی اس کی وحدانیت و ربانیت کی ایک دلیل ہے۔ اس مثال سے استدلال کی مزید دس وجوہات ہیں۔

اول: چونکہ پیکر جسمانی کسی منتظم و مہتمم کا محتاج تھا اور روح اُس کے لیے سبب تحریک بھی ہے اور ذریعہ تنظیم بھی۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ اس کائنات کا بھی کوئی بنانے اور چلانے والا لازمی ہے۔

دوم: کیونکہ اس نظام جسمانی کو چلانے والی روح ایک ہے، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ اس کائنات کا چلانے والا بھی ایک ہی ہے اور اس نظام تکوینی و تدبیری میں کوئی اُس کا شریک نہیں ہے اور یہ کسی طور جائز ہی نہیں کہ اس سلطنت میں اس کا کوئی ہمسر ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا . (الانبياء: ٢٢)

''اگر اللہ کے علاوہ اس کائنات میں دو خدا ہوتے، وہ آپس میں جھگڑتے''۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا فرمان ہے:

قل لو کان معه الهته کما یقولون اذ لا یبتغوا الی ذی العرش سبیلا . سبحانه وتعالیٰ عما یقولون علواً کبیرا . (الاسراء : ۴۲-۴۳)

''آپ فرما دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ بھی عرش پر پہنچنے کی کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔ اس کی ذات پاک و برتر ہے، اُن کی باتوں سے اور وہ بہت بلند ہے''۔

فرمان باری ہے:

وما کان معه من اله اذا لذهب کل اله بما خلق ولعلا بعضهم علی بعض سبحان الله عما یصفون . (المؤمنون: ۹۱)

''اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی بڑائی چاہتا، مگر اُس کی ذات پاک ہے اُن باتوں سے جو یہ بناتے ہیں''۔

سوم: اسی طرح بدن میں ہونے والی ہر حرکت کے پیچھے روح کی قوت ارادی کام کر رہی ہے اور یہ حرکت روح کے لیے ہی ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ کوئی صاحب اختیار ہے جو اپنے دائرہ تکوین میں تصرف کر رہا ہے اور خیر یا شر سے متعلق ہونے والی کوئی حرکت بھی ایسی نہیں جو اس کے ارادے، تخلیق اور تقدیر کے تحت نہ ہو۔

چہارم: یونہی جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جس کی نقل و حرکت کا علم اور شعور روح کو نہ ہو۔ اس کی کوئی نقل و حرکت ایسی نہیں جو روح سے پوشیدہ ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ بھی ذات باری سے مخفی نہیں۔

پنجم: جیسا کہ جسم کا کوئی حصہ دوسرے جزو کی نسبت روح سے زیادہ قریب نہیں۔ البتہ روح جسم کے ہر عضو کے قریب ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہر چیز کے قریب ہے لیکن کوئی چیز دوسری کی نسبت اُس سے زیادہ قریب یا زیادہ دور نہیں ہے اور یہ قرب و بُعد فاصلے کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ وہ ذات اس سے پاک ہے۔

ششم: کیونکہ روح جسم کے وجود سے پہلے بھی موجود تھی اوراس کے فنا ہونے کے بعد بھی موجود رہے گی۔لہذا ہم نے جانا کہ پروردگار عالم مخلوقات کے وجود سے پہلے بھی موجود تھے اوراس کے بعد بھی لازوال شان وعظمت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ موجودر ہیں گے۔

ہفتم: کیونکہ روح کے جسم میں ہونے کے باوجوداُس کی کیفیت معلوم نہین ہوتی لہذا معلوم ہوا کہ خالق اکبر بھی کیفیات سے پاک اور منزہ ہے۔

ہشتم: کیونکہ جسم میں ہونے کے باوجودروح کا مقام متعین نہیں ہےاس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات باری بھی کسی مقام میں مقیم ہونے سے پاک ہے۔اسے کہاں اور کیسے سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔بلکہ جس طرح روح تمام جسم میں موجود ہےاورکوئی عضواس سے خالی نہیں ہے ایسے ہی حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہر جگہ موجود ہےاورکوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہےاوروہ زمان ومکان سے پاک اور منزہ بھی ہے۔

نہم: کیونکہ روح جسم میں ہونے کے باوجود آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی اورنہ ہی تمثیلی صورت اختیار کرتی ہے۔معلوم ہوا کہ ذات حق کوبھی ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی اورنہ ہی وہ صورت ومظاہر اختیار کرتی ہےاوروہ شمس وقمر سے بھی مشابہت نہیں رکھتی ہے۔

لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر .

''کوئی شے اُس کے مثل نہیں اوروہ سننے اوردیکھنے والا ہے''۔

دہم: جس طرح روح کو چھوا، چھیڑا اور پکڑا نہیں جا سکتا، ایسے ہی ذات باری جسمانیت اور چھونے وچھیڑے جانے سے منزہ اور پاک ہے۔(۴۵)

امام المشائخ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ (متوفی ۵۳۵ھ) رقمطراز ہیں: جب حضرت شیخ ھرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورکہا: السلام علیکم! تو حضرت اویس قرنی نے جواب دیا: وعلیکم السلام اے حرم ابن حیان!

حضرت ھرم رحمۃ اللہ علیہ آپ کے علوشان سے بے حد متاثر ہوئے اور بحالت گریہ عرض کی: اے اویس! آپ نے اس سے پہلے تو مجھے نہیں دیکھا، پھر مجھے کیسے پہچانا اور میرے والد کا نام کیسے جانا؟

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا: جب تیرے بدن نے میرے بدن کو مخاطب کیا تو میری روح نے تیری روح کو پہچان لیا۔ کیونکہ اجسام کی طرح روحوں کے بھی حواس ہوتے ہیں۔ (۴۶)

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جسم اسلام کا خادم اور قلب ایمان کا ملازم ہے۔ حدیث پاک ہے:

اتقوا فراسة المؤمن انه ينظر بنور الله . (۴۷)

''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

جسم اور روح کے تعلق اور باہم وابستگی کے حوالے سے اگرچہ مزید بہت کچھ کہنے کی گنجائش موجود ہے لیکن ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مضمون کو یوں سمیٹتے ہیں کہ انسانی شخصیت کی تمام خوبیاں اور خصوصیات بنیادی طور پر اس کے باطن ہی سے تعلق رکھتی ہیں، اگر باطن کو فیضان ذکر الٰہی سے نکھار اور سنوار لیا جائے تو رذائل فضائل میں تبدیل ہو جاتے ہیں، نفرت محبت کا روپ دھار لیتی ہے۔ مختصر یہ کہ آدم زاد کے لیے اپنی منزل مقصود کا صحیح تعین، اُس کی شناخت اور پھر اُس کی فانی زندگی میں اس منزل کے حصول کے لیے اپنی تمام تر روحانی و جسمانی قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جدوجہد کرنا بمنزلہ معراج ہے اور جادۂ معرفت پر پڑنے والا اُس کا ہر قدم اُسے منزل مقصود کی سی لذت دے رہا ہوتا ہے۔

حواشی

۱) تفسیر مظہری، جلد نمبر ۳، ص: ۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲) انوار محمدیہ، مطبوعہ اوکاڑہ، مرتبہ حکیم محمد ابراہیم نقشبندی، ص: ۱۱۶۔

۳) مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۱، مطبوعہ نور کمپنی لاہور۔

۴) کشف المحجوب، ص ۴۵۱ (مترجم) علامہ ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ

المعارف، گنج بخش روڈ، لاہور۔

۵) کشف المحجوب، ص ۴۵۵ (مترجم) علامہ ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ۔

۶) تخریج احادیث، کشف المحجوب، ص: ۳۲، دکتر خالق داد ملک، تحقیق و تخریج، مطبوعہ جامعہ پنجاب (اورینٹل کالج، لاہور)۔

۷) کتاب الروح: ابن قیم الجوزیہ، (مترجم) ص: ۳۲۵، مطبوعہ معین الادب، اُردو بازار

لاہور۔

۸) کتاب الروح: ص: ۱۲۵

۹) کتاب الروح: ص: ۱۳۲

۱۰) کتاب الروح: ص: ۱۲۹

۱۱) کتاب الروح: ص: ۲۹۴

۱۲) صحیح بخاری: ۲: ۴۶۹، صحیح مسلم: ۲: ۳۳۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی و دیگر کتب احادیث۔

۱۳) دعوت ارواح، ص ۶۱، مؤلف: محمد ارشد قادری، مولانا، مطبوعہ المعارف لاہور۔

۱۴) سورۃ الشعراء: ۱۹۴

۱۵) سورۃ الحج: ۴۶

۱۶) سورۃ الحجرات: ۳

۱۷) سورۃ البقرۃ: ۹۷

۱۸) سورۃ ق: ۳۷

۱۹) سورۃ البقرۃ: ۲۲۵

۲۰) سورۃ البقرۃ: ۷

(۲۱ سورۃ البقرۃ:۸۸

(۲۲ سورۃ المطففین:۱۴

(۲۳ سورۃ الاعراف:۱۷۹

(۲۴ سورۃ المجادلۃ:۲۲

(۲۵ سورۃ الحج:۴۶

(۲۶ الشعراء:۸۸،۸۹

(۲۷ سورۃ الرعد:۲۸

(۲۸ دعوت الارواح:ص:۱۱۴

(۲۹ المائدۃ:۴۱

(۳۰ الجامع الصغیر للسیوطی،ص۲۲،جلد: ثانی،مطبوعہ: بیروت رواح،ابن ماجہ،عن ابی ھریرۃ وغیرہ من المحد ثین۔

(۳۱ دفتر اول،مکتوب ۱۰۵

(۳۲ کتاب التعر یفات،ص۸۲،مطبوعہ دارالفکر،بیروت،لبنان۔

(۳۳ کتاب التعر یفات،ص۸۲،مطبوعہ دارالفکر،بیروت،لبنان۔

(۳۴ حقیقت روح انسانی،ص:۱۰،مطبوعہ دارالاشاعت،کراچی۔

(۳۵ حقیقت روح انسانی،ص:۱۲-۱۹

(۳۶ بخاری ومسلم،عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ،صحیح بخاری:ص ۴۶۸،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ،کراچی۔

(۳۷ حقیقت روح انسانی،ص:۱۲-۱۹

(۳۸ سورۃ مریم:۱۷

(۳۹ مکتوبات امام ربانی،مکتوب:۲۸۲،دفتر اول۔

۴۰) مکتوب نمبر:۵۸، دفتر دوم۔
۴۱) تفسیر مظہری، جلد:۳،ص ۲۴۸، مطبوعہ کوئٹہ۔
۴۲) فیوض الحرمین، ص:۱۱۶، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی۔
۴۳) التمہید فی بیان التوحید، ص:۲۴، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، پشاور۔
۴۴) ایضاً، ص:۲۱۶
۴۵) الحاوی للفتاویٰ، ص:۲۳۸، جلد ثانی، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور۔
۴۶) رتبۃ الحیات، ص:۶۶، مطبوعہ ایران۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلاۃ والسلام علی النبی الکریم وعلیٰ الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ المھدیین واھل طاعتہ اجمعین

فصل اول

انسانی روح کی مثال:

مختصر یہ کہ آدمی جب کشتی میں سوار ہوتا ہے اور کشتی دریا کے کنارے سے قریب ہوتی ہے تو بعض اوقات وہ ایسا محسوس کرتا ہے جیسے کشتی ایک ہی جگہ کھڑی ہے اور ساحل حرکت میں ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حقیقت میں کشتی رواں اور دریا کا کنارہ ساکن ہوتا ہے، یونہی روح انسانی کو بدن کی کشتی میں بیٹھا کر اُس کشتی کو دنیا کے دریا میں چھوڑ دیا گیا ہے۔

انسان سمجھتا ہے کہ اس کے بدن کی کشتی ٹھہری ہوئی ہے، اور وقت کا دریا بہہ رہا ہے جب کہ یہ غلط ہے، کیونکہ جسمانی زندگی کی کشتی جو کہ جسم کے سبب قائم ہوتی ہے حرکت میں ہے جبکہ زمانے کا دریا اپنے مقررہ نظام کے مطابق جاری وساری ہے لہذا کشتی کو اگر مطلوبہ مقدار میں نور بصیرت فراہم نہ ہو جس کی روشنی میں وہ اشیاء کے حقائق تک رسائی حاصل کر سکے تو وہ حالات کی تبدیلی پر رنجیدہ و پریشان ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سید وسرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ارنا الاشیاء کماھی".

(اے اللہ)! ہمیں حقیقت اشیاء تک رسائی عطا فرما۔ (اللہ ولی التوفیق)

فصل دوم

جسم کا فانی ہونا:

انسانی جسم اور اُس کے اعضاء کو ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا جیسا کہ ہم اپنی آنکھوں

سے دیکھتے ہیں کہ اس کے احوال میں تغیر وتبدل آتا رہتا ہے، پہلے بچہ تھا، جوان ہوا، اور جوانی کے بعد بوڑھا ہو گیا۔ ہاں اگر یہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا تو دائمی ہوتا۔ اس کے ایک ہی حال پر مستقل نہ رہنے سے معلوم ہوا کہ اسے ہمیشہ کے لیے تخلیق نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کے دوام کی تمنا رکھنے والا جب اصل معاملہ توقع کے برعکس پاتا ہے تو اُسے افسوس ہوتا ہے جب کہ حقیقت میں اُسے اپنی اس حالت پر افسوس ہونا چاہئے کہ وہ کیونکر فانی کی بقا کا خواہاں ہے۔

﴿فصل سوم﴾

روح انسانی کی حقیقت اور اُس کا ثبوت:

جان لے کہ تیری اصل تیرے جسم کے علاوہ کچھ اور ہے اور اس دعوے کے دلائل بے شمار ہیں۔

پہلی دلیل: یہ ہے کہ آدمی بڑھاپے میں بھی وہی ہوتا ہے جو بچپن میں تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ میں وہی شخص ہوں جو اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا۔ پہلے بچہ تھا، پھر جوان ہوا اور آج بوڑھا ہو گیا ہوں۔ لیکن اس وقت جب میں بچہ تھا میرا وزن سیروں میں تھا جبکہ آج منوں کے حساب سے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اعضائے جسمانی ہی چھوٹے بڑے ہوتے ہیں لیکن میں ہر حال میں ایک ہی شخص ہوں۔ اس سے پتہ چلا کہ اُس بدن کے برعکس میری حقیقت کچھ اور ہے۔

دوسری دلیل: یہ کہ انسان صحت مندی کی حالت میں طاقتور اور بیماری کے عالم میں کمزور ہو جاتا ہے۔ بیماری سے صحت پانے کے بعد دوبارہ قوی اور فربہ ہو جاتا ہے حالانکہ یہ شخص تمام حالتوں میں وہی رہا جو کہ اصل میں تھا یعنی اعضائے ظاہری میں واقع ہونے والی تبدیلی اُس کی اصل اور حقیقت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اُس کی اپنی حقیقی حیثیت جوں کی توں ہے۔

یوں اس کی اصل کا اس جثے اور تن سے الگ ہونا واضح ہے۔

تیسری دلیل: انسان بیداری کی حالت میں عالم غیب اور پوشیدہ معاملات کا مشاہدہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، جبکہ سوتے ہوئے اُسے یہ مشاہدات حاصل ہوتے ہیں۔ بیداری جسم کے لیے حصول تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ بیداری کی حالت میں جو تقویت جسمانی کا باعث ہے،

روح ضعیف اور مشاہدات غیبیہ سے بالعموم قاصر ہوتی ہے اور نیند کی حالت میں جو کہ جسمانی ضعف اور تقویت روحانی کا باعث ہے، مشاہدۂ احوال غیبیہ پر نسبتاً قادر ہوتی ہے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ روح جو علم وفضل، فہم وشعور اور معرفت حق کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس جسد خاکی کے علاوہ کچھ اور شے ہے۔

چوتھی دلیل: حصول معرفت کے لیے غور وفکر کرنے سے روح کو کمال حاصل ہوتا ہے کیونکہ کثرت غور وفکر کی برکت سے روح جہالت کے اندھیروں سے نکل آتی ہے اور معرفت کی روشنی تک پہنچ کر دائمی سعادت حاصل کر لیتی ہے۔ غور وفکر کرنے سے قوائے جسمانی متاثر ہوتے ہیں۔ انسان جب تفکرات میں کثرت سے مشغول ہوتا ہے تو کھانے پینے، سونے اور آرام وآسائش کی لذتوں سے محرومی کے باعث کمزوری اور نقاہت اُس کے جسم پر غلبہ کر لیتی ہے۔ اس کے برعکس کثرت طعام، لذات اور خواہشات نفسانی کا اہتمام کرنے سے بدن کو راحت ملتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بدن اس سے فربہ اور طاقتور ہو جاتا ہے اور یہی قوت روح کے لیے ظلمت کا سامان بن جاتی ہے۔ جان لو ہر وہ شخص جس کی زندگی کا مقصد صرف کھانا، پینا، سونا اور بچے پیدا کرنا ہے وہ غافلوں میں سے ہے۔ اہل اللہ اسے مویشیوں اور چوپایوں میں شمار کرتے ہیں ور ایسے شخص کو ناپسند فرماتے ہیں۔ جسم کی افزائش وتقویت سے متعلقہ اسباب وذرائع روح کے لیے نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو اعلیٰ معرفت و محبت الٰہیہ ہے اُس بدن سے ہٹ کر ایک الگ جوہر ہے۔

پانچویں دلیل: عالم اجسام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اگر کسی تختی پر ایک بار ایک عبارت لکھ دی جائے تو دوسری بار وہ تختی مزید تحریر کی متحمل نہیں رہتی اور اگر ایک ہی تختی پر دو تحریریں یعنی ایک پر دوسری لکھ دی جائے تو دونوں باہم خلط ہو کر ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس انسان کے لوح باطن پر جتنے بھی نقوش علوم وفنون کے مرتسم ہو جائیں وہ آپس میں گڈمڈ ہو کر خراب نہیں ہوتے یہاں تک کہ ایک ہی آدمی ہوتا ہے جسے مختلف علوم ومضامین پر مشتمل کتابوں کی کئی کئی جلدیں زبانی یاد ہوتی ہیں اور اس کے باوصف آسمانوں، ستاروں اور سیاروں کی اشکال، دریاؤں، پہاڑوں اور مختلف شہروں کی صورتیں اور نقشے اس کے حافظے میں واضح اور صاف طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ان میں سے کوئی

دوسرے میں مدغم نہیں ہوتا۔اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مادے اور جسم پر مبنی چیز ایک سے زیادہ نقشوں کی متحمل نہیں ہوسکتی جب کہ روح انسانی لاتعداد اور بے شمار نقش ونگار پر مشتمل مواد کو اپنے اندر اس طرح جذب کرسکتی ہے کہ کوئی ایک بھی دوسرے میں مدغم نہ ہو۔یوں معلوم ہوگیا کہ معرفت والی روح کا نورانی جوہر کچھ اور چیز ہے اور کدورت وکثافت سے پُر جسم کچھ اور ہے۔

چھٹی دلیل: یہ ہے کہ انسان کی عمر کے چار مراحل ہوتے ہیں۔

☆ پھلنے پھولنے اور پلنے بڑھنے کی عمر جس کی حد تقریباً ۳۰ سال تک ہوتی ہے

☆ نشونما رک جانے کی عمر جس میں کمی اور زیادتی کا سلسلہ رک جاتا ہے اور اُس کی حد ۴۰ سال تک ہوتی ہے۔اُس کو شباب بھی کہتے ہیں۔

☆ ادھیڑ عمری، اکثر لوگ عمر کے اُس حصہ میں کمزور ہو جاتے ہیں۔اس کی حد ۶۰ سال تک ہوتی ہے۔

☆ بڑھاپا، پیرانہ سالی عمر کے اس حصہ میں لوگ ضعیف اور ناتواں ہو جاتے ہیں اور طبعی جوش و خروش ختم ہو جاتا ہے۔اس کی انتہا موت پر ہی ہوتی ہے۔

دانشوروں کا کہنا ہے کہ آدمی بچپن میں موسم بہار کی مانند ہے اور مزاج اُس کا گرم تر ہوتا ہے، جوانی میں موسم گرما کی طرح ہے، ایسے میں اس کا مزاج گرم خشک ہوتا ہے، اُدھیڑ عمری میں فصل خزاں کی طرح سرد اور خشک مزاج کا مالک ہوتا ہے جبکہ بڑھاپے میں جاڑوں کی مانند سرد اور تر ہو جاتا ہے۔

الغرض ان معروضات کا حاصل یہ ہے کہ انسان جب ۴۰ سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کے اعضاء جسمانی زوال کا شکار ہونے لگتے ہیں، اس کے برعکس اس کا شعور وادراک اپنے عروج پر ہوتا ہے۔یہی حکمت تھی کہ سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ چالیس سال کی عمر میں خلعت وحی سے سرفراز ہوئے۔اس سے پتہ چلا کہ روحانی معاملات، جسمانی اور مادی اُمور سے مختلف ہوتے ہیں۔یہاں تک کہ ایک ضرر اور نقصان پہنچانے والی چیز دوسرے کے لیے فائدے اور کمال کا باعث بن سکتی ہے۔

ساتویں دلیل: وہ عارفان حق جو معرفت کے دریا میں اترتے ہیں اور قربت ومحبت محبوب کی

لذتوں سے آشنائی کے ساتھ ساتھ دنیائے دوں کی بے ثباتی وقباحت سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں تو اُن کو لذات وشہوات دنیاوی کی طرف پہلی سی رغبت نہیں رہتی۔ بعض اوقات کئی کئی دن گزار کر تھوڑا سا کھاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عالم روحانی اور ہے اور عالم جسمانی اور ہے۔

آٹھویں دلیل: انسانی عقل خود اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ مادی دنیا ناقص اور عالم روحانیت کامل وافضل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے، سونے اور خواہشات کی طرف میلان نہ رکھنے والے شخص کی طرف لوگ عقیدت مندانہ انداز سے راغب ہوتے ہیں اور اُس کی خدمت وفرمانبرداری پر کمربستہ رہتے ہیں۔ اُس کے برعکس جب کسی شخص کو ہمہ تن اُنہی چیزوں کی طرف متوجہ ومائل پاتے ہیں تو سبھی اُس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہ حیوانی صفات ہیں۔ عقلی شہادتوں سے بھی معلوم ہو گیا کہ تن اور بدن تک محدود فوائد، کمالات اور لذاتِ عین زوال ہیں اور حقیقی سعادتمندی اور فلاح سوائے تصفیۂ روحانی وتزکیہ باطنی کے ممکن نہیں ہے۔

نویں دلیل: یہ ہے کہ دانائی، گویائی، غور وفکر اور تذکر وتفکر جیسی صلاحیتیں حقیقت انسانی کے اجزاء ہیں جو اس میں جمع ہیں، جب کہ جسم ظاہری میں کوئی ایک عضو بھی ایسا نہیں کہ یہ تمام صفات بیک وقت اُس میں سما سکیں۔ دیکھئے آنکھ آلۂ بصارت ہے لیکن اس میں سننے، بولنے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے، زبان آلۂ اظہار ہے لیکن دیگر صفات سے خالی ہے، دماغ سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن دیکھتا اور سنتا نہیں، دل دانائی رکھتا ہے مگر دیگر خوبیاں اس میں نہیں پائی جاتیں، واضح ہوا کہ اعضاء جسمانی میں سے کوئی ایک بھی بیک وقت ان تمام خوبیوں کا حامل نہیں ہے۔ لہذا یہ امر انسان کی حقیقت کے اُن اجزاء واعضاء سے بالاتر ہونے کا عین ثبوت ہے۔

دسویں دلیل: یہ ہے کہ تمام اعضاء جسمانی انسان کی ملکیت ہیں۔ حق تعالیٰ کافروں کے بارے میں فرماتے ہیں:

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا (الاعراف: ۱۷۹)

''وہ دل تو رکھتے ہیں مگر اُن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں تو رکھتے ہیں مگر دیکھتے نہیں''۔

مطلب یہ کہ ان اعضاء پر وہ اختیار رکھتے ہیں۔ عام طور پر بھی کہا جاتا ہے، میرا دل، میری آنکھیں، میرا کان، میرے ہاتھ پاؤں اور میری عقل وغیرہ گویا انسان کی ملکیت واضح ہوگئی اور یہ تو طے شدہ امر ہے کہ مالک مملوک سے علیحدہ ہوتا ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ انسان کی حقیقت اُس ظلمت کدہ بدنی اور اعضاء جسمانی سے ہٹ کر کوئی چیز ہے۔

گیارھویں دلیل: کہ آدمی کا جسم خون، صفراء، بلغم، اور سوداویت پر مشتمل ہے اور یہ چاروں عناصر ظلمت وکثافت سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ معرفت الٰہیہ جل وعلا ''نور علیٰ نور'' مقدس ومطہر اور تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ لہذا یہ ممکن نہیں کہ خالصتاً نورانیت کا ورود کسی کثیف وتاریک مقام سے وابستہ ہو۔ پتہ چلا کہ باری تعالیٰ کی محبت ومعرفت کا حامل جوہر اس بدن سے ماوراء ہے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ تم کہتے ہو روح انسانی اس بدن ناسوتی سے ہٹ کر کوئی چیز ہے تو اُس سے روح کا جزو ذات باری تعالیٰ ہونا ثابت ہوتا ہے؟ تو میں اس کا جواب دیتا ہوں:

نعوذ باللہ۔ ایسا خیال وگمان بالکل باطل ہے، اگر کوئی یہ گمان رکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلوقات میں صرف یہی مادی اور ثقیل وکثیف اشیاء ہیں اور ان کے علاوہ دیگر تخلیقات نہیں ہیں تو یہ خطائے عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو بنیادی قسمیں ہیں:

پہلی قسم: عالم اجسام ہے۔ جس میں سب سے اعلیٰ مرتبہ عرش عظیم الشان کا ہے۔ پھر کرسی، پھر طبقات آسمانی۔ ان کے بعد بناوٹ انسانی، حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں۔

دوسری قسم: عالم ارواح ہے۔ جس میں سب سے افضل وہ ملائکہ ہیں جو عرش پروردگار کو اٹھائے ہوئے ہیں:

ویحمل عرش ربک فوقهم یومئذ ثمانیة الحاقة (الحاقة:١٧)

''اور اس دن آپ کے رب کا عرش آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے''۔

اس کے بعد وہ فرشتے جو عرشِ الٰہی کے اردگرد حاضر رہتے ہیں:

وتری الملائکة حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربهم (الزمر:٧٥)

''اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے اردگرد حلقہ کئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اُس کی پاکی بیان کرتے ہوں گے''۔

اسی ترتیب سے یہ سعادت وفضیلت ارواح انسانی تک پہنچتی ہے۔اس سے یہ ظاہر ہوا کہ عالم اجسام و عالم ارواح دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اپنے خالق کی صنعت گری کا نمونہ ہیں۔وہ ذات قدیم و بے نہایت جل وعلا کمی، بیشی، تجزی و تقسیم سے مبرا ومنزہ ہے۔

لیس کمثله شیء وهو السمیع البصیر . (الشوری: ۱۱)

''کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے''۔

یہاں روح انسانی کی حقیقت سے متعلق کچھ بیان ہوا۔اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

﴿فصل چہارم﴾

حقیقت موت اور اس کے متعلقات:

اسرار روح کی وضاحت کے بعد ہم پھر سے موت کے حقائق کی طرف آتے ہیں۔ہم نے پختہ دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جو ہر روح انسانی اپنی ذاتی حیثیت وخصائص کے اعتبار سے جسم کا محتاج نہیں ہے بلکہ یہ مجسمہ اس کے لیے ایک آلہ کا کام دیتا ہے۔جس سے وہ اپنے کمالات کا اظہار کر کے فلاح وکامرانی کے ذرائع حاصل کر پاتا ہے۔گویا روح کی مثال فاعل کی سی ہے کہ بعض صورتوں میں آلۂ کار یا اوزار کی عدم دستیابی یا شکستگی نہ صرف اسے بے مصرف کر دیتی ہے بلکہ اُس کے کام میں رکاوٹ بھی ثابت ہوتی ہے۔لیکن اس کے باوصف اس کا وجود ختم نہیں ہوتا جیسا کہ خون جو جسد انسانی کی بقا کا آلہ ہے اگر فساد یا فشار کا شکار ہو جائے تو پھر بھی جسم کی ذاتی حالت میں کمی وبیشی واقع نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی اصل حالت پر قائم رہتا ہے۔

اور اگر اس آلۂ اظہار کو کام میں لاتے ہوئے آخرت کا ذوق وشوق حاصل کرے یعنی نفس جب ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے دشمن کی قید سے رہائی پا کر واصل بحق ہوگا تو یقیناً خوش نصیبی وسعادتمندی اُس کا مقدر ٹھہرے گی۔اس کے برعکس اگر اس جسد خاکی کو حب دنیا، عیش پرستی، حصول جاہ ومنصب اور

لذات وشہوات کے لیے ہی استعمال کیا تو مرنے کے بعد محبوب کی چوکھٹ سے دور بے یارو مددگار پردیس کے مصائب کاٹتا پھرے گا۔ رنج پر رنج اُٹھائے گا۔ عقلمند کو چاہیئے کہ توفیق وتائید ربانی کا طلبگار بن کر اس عبارت میں غور وفکر کرتے ہوئے موت کے بعد پیش آنے والے حالات کا اندازہ اسی دنیوی زندگی میں لگائے اور ذوقاً اس کے اسرار تک رسائی حاصل کرے۔

واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم . (سورۃ البقرۃ:۲۱۳)

''اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھادیتا ہے''۔

ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور .(النور:۴۰)

''اور جسے اللہ نور نہ دے، اُس کے لیے کوئی نور نہیں''۔

فصل پنجم

ہجر کا درد اور اُس کی حقیقت:

واضح ہو کہ ہجر وفراق سے پیدا ہونے والے درد کی حقیقت کسی محبوب چیز سے بچھڑ جانا ہے۔ پس محبوب سے جدائی ہی درد ہے۔ مثال کے طور پر آگ میں جلنے سے زیادہ تکلیف کسی اور طرح نہیں پہنچتی تو اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ یعنی جسم کے ہر عضو کا مزاج دوسرے عضو سے منسلک رہنے کا متمنی و مشتاق ہے اور یہی باہمی ربط اُس کا محبوب ومدعا ہے۔ جبکہ آگ ایسی گرم اور لطیف چیز ہے کہ ان اجزاء کے مابین حائل ہو کر ایک کو دوسرے سے جدا کردیتی ہے لہذا اس کے نتیجہ میں اٹھنے والا درد انھیں اجزا کے ہجر وفراق کی داستان بیان کررہا ہوتا ہے۔

؎ بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

معلوم ہوا کہ آگ کی حرارت سے پیدا ہونے والا درد حقیقت میں درد جدائی ہے اور یہ بھی سمجھ لو تلوار کا گھاؤ تمام اعضاء میں جدائی کا باعث نہیں بنتا لیکن آگ تمام اجزا میں جدائی کا سبب بنتی ہے۔ ثابت ہوا کہ تلوار کا زخم آتش ہجر کی نسبت کم تکلیف دہ ہوتا ہے۔ واضح ہوگیا کہ درد کی حقیقت

محبوب سے بچھڑ جانا ہے۔

﴿فصل ششم﴾

نصیحت وتنبیہ:

اس بات کے معلوم ہو جانے کے بعد کہ محبوب سے جدائی ہی تمام پریشانیوں کی جڑ ہے عقلمند آدمی کو چاہئے کہ ایسی کسی چیز سے محبت نہ رکھے جس کے بچھڑ جانے کا خدشہ یا امکان موجود ہو۔ اسی طرح بیوی اور بچوں سے بھی ضرورت سے زیادہ محبت نامناسب ہے کیونکہ ان کی جدائی کا امکان بھی ہمہ وقت رہتا ہے اور جدائی کے بعد ایک مستقل تکلیف کا احساس بھی ہوتا ہے۔ یونہی تمام امور دنیوی، حکمرانی، جاہ ومنصب، ہر قسم کی لذتیں اور خواہشات جسمانی حتیٰ کہ یہ جسم اور اس کے اجزا بھی اسی میں شامل ہیں کیونکہ یہ سب موت کے آنے سے منقطع ہو جائیں گے اور جدائی کے سبب باعث آزار ہوں گے۔

رباعی

چیزی کہ نہ روئے در بقا باشی ازو
آخر ہدف تیر بلا باشی ازو
از ہر چہ بمیرد، جدا باشی ازو
آں بہ کہ بزندگی جدا باشی ازو

''وہ چیز جو تیرے لیے باعث دوام وبقا نہ ہو، اُسی کے سبب تو مصائب میں مبتلا ہوگا، جس سے موت نے آ کر جدا کر دینا ہے، بہتر ہے کہ زندگی ہی میں اُس سے کٹ کر رہو''۔

جان لو کہ درد فراق کی سختی اور شدت، محبت کی کثرت اور شدت کے مطابق ہوتی ہے۔ جس قدر محبت زیادہ ہوگی، جدائی کا صدمہ اتنا ہی سخت تر ہوگا۔ ہاں ایک چیز ایسی بھی ہے جس سے جدائی ممکن نہیں اور وہ ہے معرفت ومحبت پروردگار جل شانہٗ کیونکہ ذات لایزال جل جلالہٗ فنا ونیستی سے پاک ہے اور لطیفۂ نورانی روح بھی فنا نہیں ہوتا۔ جسمانی وخونی خرابی یا فساد سے اس میں تغیر نہیں آتا۔ لہذا جو

کوئی حق تعالیٰ سے دوستی لگائے گا، کبھی اپنے محبوب سے جدا نہیں ہوگا اور ہجر و فراق کے صدمے سے بچ جائے گا اور رنج و آلام کی زحمت بھی نہیں اُٹھائے گا۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (یونس: ۶۲)

''سن لو! بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔ اور شاعر محقق نے اس حوالے سے کیا خوب کہا ہے۔

ہر صورت زیبا کہ ترا روئے نمود
خواہد فلق از چشم تو روزیش ربود
رو دل بکسے دہ کہ در اطوار وجود
بودست ہمیشہ با تو و خواہد بود

''تیرے دل کو بھانے والی ہر حسین صورت کو آسمان تجھ سے چھین لینا چاہتا ہے، جا، کسی ایسے کے ساتھ دل لگا، جو ہمیشہ سے تیرے ساتھ ہے اور ہمیشہ رہے گا''۔

فصل ہفتم

ارواح کے مدارج و مراتب:

بلحاظ مراتب ارواح انسانی کی تین اقسام ہیں: اصحاب سعادت، اصحاب سلامت، اور اہل شقاوت۔ قرآن عظیم الشان میں اہل سعادت کا تذکرہ یوں فرمایا گیا ہے:

فاما ان کان من المقربین ۔فروح و ریحان و جنت نعیم ۔ (الواقعہ: ۸۸؛ ۸۹)

''پس وہ مرنے والا اگر مقربوں میں سے ہے تو اُس کے لیے راحت ہے اور خوشبو اور نعمتوں والے باغ''۔

انسان کی سعادت مندی کی علامات کے طور پر، روح و ریحان اور جنت نعیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ آؤ اور غور و فکر کے ذریعے ''روح و ریحان'' جنھیں جنت نعیم پر مقدم رکھا گیا، کی حقیقت تک رسائی کی کوشش کرو۔ ان کی اصل اہل قرب کے علاوہ کسی اور پر منکشف نہیں ہوتی اور صاحب قرآن کی بارگاہ

کے خدام بقدر ظرف ان علوم و معارف میں سے حصہ پاتے ہیں۔

اہل سلامت کی تعریف کلام پاک میں یوں آئی ہے:

واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین . (الواقعه: ۹۱)

”تو اگر وہ داہنی طرف والوں میں سے ہو، تو اے حبیب آپ پر سلام ہو داہنی طرف والوں کی طرف سے“۔

جبکہ اہل شقاوت کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

واما ان کان من المکذ بین الضآلین . فنزل من حمیم . وتصلیة جهیم. (الواقعه: ۹۴-۹۲)

”اور اگر وہ جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہو تو اس کی مہمانی ہے کھولتا ہوا پانی، اور جہنم کی بھڑکتی آگ میں رہے گا“۔

معلوم ہوا کہ ان آیات مقدسہ میں ایسے راز بہت ہیں جن سے بجز صدیقین کے کوئی واقف نہیں اور ان رازوں کا احاطہ تحریر میں لانا بھی مناسب نہیں ہے۔ درج ذیل آیت اس حال پر دال ہے:

والراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب . (آل عمران:۷)

”اور جو علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان آیات پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقلمند ہی نصیحت مانتے ہیں“۔

لیکن میں راہ تفہیم ہموار کرنے اور باب حقیقت کھولنے کے لیے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ دیکھو، اکثر پہاڑوں کے اوپر پڑی مٹی کے ذرات بے کار ہوتے ہیں اور ان میں سونے کا نام ونشان نہیں ہوتا اور کچھ کہتے ہیں کہ سونے کے باریک ذرات ان میں ملے ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی ایسے پہاڑوں کی تعداد زیادہ ہے جن میں محض گرد و غبار کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ان میں طلائی ذرات پائے جائیں اور وہ اقسام بھی جن میں نقرئی ذرات کا وجود پایا جاتا ہے اپنی حیثیت وہیئت کے لحاظ سے

مختلف ہوتے ہیں کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔عبارت محذوف

کہ طلائی موادنہ ہونے کے برابر ہوتا ہےاور کبھی اتنا بڑھ جاتا ہے کہ سونے کے ٹکڑے ہاتھ میں پکڑے جاسکتے ہیں۔ بلکہ خالص سونے کی کان کا دریافت ہوجانا بھی بعیداز امکان نہین ہوتا۔البتہ یہ شاذ و نادر والی بات ہے اور ایک مقام اور وقت میں ایسا ایک ہی بار ہوتا ہے۔مثال مذکور سے واضح ہوا کہ انسانی روحیں محبت و معرفت الٰہی کے باب میں ایسا ہی حکم رکھتی ہیں، کیونکہ اکثر لوگوں کی روحیں محبت و معرفت کے مواد کی آمیزش سے خالی ہوتی ہیں اور جو ان میں سے اظہار کی حد تک دعویٰ معرفت و محبت رکھتے ہیں وہ بطور تقلید و مصلحت دینی ایسا کر رہے ہوتے ہیں جبکہ حقیقت میں ان کی روح کے لیے اس میں صوری و معنوی کوئی حصہ نہیں ہوتا۔نعوذ باللہ من ذلک۔لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا جوہر روحانی معرفت الٰہیہ سے مناسبت تامہ رکھنے کے علاوہ ان کی محبت کا بھی لذت چشیدہ ہوتا ہے۔

از دیده قدم بر سر جاں بنہا دند

تا یك دل دیوانه بدست آوردند

اپنی آنکھوں کو قدم بنا دینے کے بعد ہی ایک دل دردمند میسر آتا ہے۔جس طرح سونے کے ذرات میں رچی ہوئی خاک کو اس حد تک پہنچنے کے لیے کہ اس کے اندر موجود سونے سے ایک غار بھر جائے، کئی مراحل طے کرنا پڑتے ہیں، ایسے ہی روح انسانی بھی بہت سارے مدارج و مراتب طے کرنے کے بعد اس قابل ہوتی ہے کہ محبت و معرفت اور اطاعت الٰہی کے انوار و تجلیات سے معمور ہو سکے۔اس کی گفتگو اور اقوال ذات حق و فضل حق سے متعلق ہوں، اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں اور نعمتیں اس کی سوچ کا محور ہوں اور اسے مولا کے کرم پر مکمل بھروسہ ہو۔ مصیبت اور مسرت دونوں میں اُسی کی طرف متوجہ رہے اور نافع وضار اُسی کو جانے۔اگر ساری کائنات بھی اس کے سامنے حاضر ہو تو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے اور ''لاھوالا اللہ'' ''اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں'' کا نعرہ بلند کرے۔

جان لو جس طرح سونے سے بھری کان کا سراغ ہر کسی کو نہیں ملتا اور ہر کوئی اس مقام سے واقف نہیں ہوتا اور اگر کوئی اس جگہ سے واقف ہو بھی تو کسی کو اس کا اتا پتا نہیں بتاتا، ایسے ہی محبت و

معرفت الٰہی میں فنا ہونے والی روحوں سے بھی ہر کوئی واقف نہیں ہوتا، ان کے احوال و مقامات و علامات ہر کسی پر ظاہر نہیں ہوتے اور یونہی حالت اخفاء اور فقیری کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم غیری. "میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں، جنھیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

لله تحت قباب العز طائفة

اخفاهم عن عيون الناس اجلالا

هم السلاطين في اطمار مسكنة

جروا على القبة الخضراء اذيالا

اللہ کے بندوں کا ایک گروہ عظمت والے قبوں کے نیچے ہے، انہیں ان کے اعزاز و اکرام کے پیش نظر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، یہ مسکنت کی چادروں میں لپٹے بادشاہ ہیں، جن کی رسائی آسمانی ایوانوں تک ہے۔

رباعی (نامکمل)

زاں مے خوردم کہ روح پیمانۂ اوست

زو مست شدم کہ عقل دیوانۂ اوست

دردے -------------عبارت محذوف

میں نے اس سے شراب پی ہے، جس کا پیالہ روح ہے اور اس کا مست ہوں عقل جس کی شیدائی ہے۔

یاالٰہی! ہمارے دلوں کو اپنی معرفت کے انوار سے منوّر فرما اور ہمیں اپنے عشق کے سمندر میں ڈبو دے، بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

﴿آٹھویں فصل﴾

موت کی حکمتوں اور دلائل کے بیان میں:

جان لو! کہ موت فعل حق ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

الذی خلق الموت والحیٰوۃ (الملک: ۲)

''وہی ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا''۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی کام فضول اور بے مقصد نہیں ہے، بلکہ موت میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت یہ ہے کہ انسان کو دولت عقل سے نواز کر اس عالم میں تجارت کے لیے بھیجا گیا ہے، لہذا جب وہ اس دنیا میں آیا اور اس نے خرید وفروخت کی رو اس کے نتیجہ میں معرفت الٰہی، فراست باطنی اور خودشناسی کا منافع اسے حاصل ہوا۔ اس کے بعد اس کا پردیس میں پڑے رہنا نامناسب ہے، بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنے اصل وطن کو لوٹ جائے۔ اسی لیے ارشاد ہوا:

ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ . (الفجر: ۲۸)

''اپنے رب کی طرف لوٹ جا کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی''۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر ہم ہمیشہ زندہ رہیں تو دوسروں کے لیے جگہ نہیں رہے گی اور حکمت والے مالک کے شایان شان نہیں کہ ایک کو تو سب کچھ دیدے اور دوسرے کو بالکل محروم رکھے۔ پس حکمت کا تقاضا ہے کہ جب ایک شخص دسترخوان رحمت سے اپنا حصہ وصول کر لے تو اُٹھ کھڑا ہوتا کہ دوسرا اُسی جگہ بیٹھ کر اپنا حصہ حاصل کرے۔

زیں مائدہ جہاں چہ خوردی و شکست
بر خیز کہ دیگراں بخواہند نشست

''اس جہاں کے دسترخوان سے تو کیا کچھ کھا اڑا چکا ہے اب اٹھ جا! کہ دوسرے بھی اس سے مستفید ہوسکیں''۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ جسمانی لذتوں کا محدود اور کثیف ہونا ہے، زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ

دوپہر کو دستر خوان لگ جائے اور پھر اس کے وضو کے لیے پانی فراہم کر دیا جائے۔ روشنی کے لیے شمع جلا دی جائے اور پھر شام کو وہ اہل مجلس کے ساتھ بیٹھ کر جھوٹ سچ بولے اور منافقت وریاکاری پر مبنی اعمال کا مرتکب ہو۔ الغرض زندگی اگر ایک سال کی ہو تو بھی یہی کچھ ہے اور اگر سو سال کی عمر بھی مل جائے تو یہی لعب ولہو ہے اور غفلت میں رہنے والا جب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو سوائے خسارہ کچھ نظر نہیں آتا۔ چونکہ اس دنیا کی لذتیں اور راحتیں عارضی، ناقص اور تھوڑی ہیں اور کم ہونے کے علاوہ بے ڈھنگی اور کثیف بھی ہیں، اس لیے صاحب حکمت انسان کو اس میں پڑا رہنے دینا مناسب نہیں۔ پھر یہ کہ اُخروی سعادتیں اور انعامات ایسے ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کان نے سنے اور نہ ہی کسی انسان کے وہم وگمان میں کبھی آسکے۔ اسی لیے موت کا واقع ہونا لازمی وضروری ٹھہرا تا کہ روح اس ناقص دنیا کے زندان سے نجات پاکر عالم بقا کی نفیس فضا میں پہنچ سکے۔

اقتلونی اقتلونی! بالقات

ان فی قتلی حیاۃ فی حیاۃ

''اے مہربانو! مجھے قتل در قتل کرتے جاؤ، بے شک میرے ہر قتل میں ایک نئی زندگی پوشیدہ ہے۔''

چوتھی حکمت یہ ہے کہ بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور اس جہان کی راحتوں اور لذتوں سے بے خبر ہوتا ہے تو اسے اس جگہ سے جدا ہونا ناگوار گزرتا ہے مگر مشیت باری تعالیٰ یہی تھی کہ اسے ناگواری کے باوجود وہاں سے علیحدہ کر کے اس عالم میں لایا گیا۔ لیکن جب اس دنیا میں آیا تو اس عالم کا اس تنگ وتاریک مقام سے بہتر ہونا اُس پر واضح ہوا۔

علیٰ ھذا القیاس۔ جب آدمی کو اس ظلماتی عالم سے باہر لے جایا جاتا ہے تو اُسے ناگوار گزرتا ہے مگر اس عالم میں پہنچ کر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نورانی جہان (آخرت) اس عالم (دنیا) سے بہت بہتر واعلیٰ ہے۔

وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون. (العنکبوت: ۶۴)

"اور یقیناً آخرت کا گھر ہی سچی زندگی ہے اگر وہ اس کو جانتے"۔

پانچویں حکمت یہ ہے کہ روح انسانی کی حقیقی سعادت یہ ہے کہ وہ تنگنائے دنیائے تاریک سے نکل کر آخرت کے نورانی عالم میں پہنچے اور بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو۔ لیکن اس کا ازخود یہاں تک پہنچنا ممکن نہیں تھا لہٰذا اسے جسم کی سواری پر سوار کیا گیا اور وہ اس سواری کے ذریعے اطاعات وعبادات کا اہتمام کر کے رضائے الٰہی کے مقام تک پہنچ گئی۔ اب اگر اسے اسی طرح مرکب کی پیٹھ پر بیٹھا رہنے دیا جائے تو وہ دیدار شاہ سے محروم رہ جائے گی۔ لہٰذا اس کے لیے مناسب تر یہ ہے کہ وہ سواری سے اتر آئے، اسے چھوڑے اور مالک الملک کی بارگاہ میں پہنچ کر "**فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر**" کی مجلس میں بیٹھے۔

چھٹی حکمت یہ ہے کہ ایک بچہ جس نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑا۔ پردیس کاٹ کر جب وہ تحصیل علوم سے فراغت پاتا ہے اور ایک عالم کامل بن جاتا ہے تو اس کے گھر والے یہ خبر پا کر اس کے لیے ملازمت یا خطابت وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور گھر بار دیوان خانے وغیرہ سجا کر اُس کا انتظار کرتے ہیں۔ اس کا پردیس میں یونہی بیٹھ رہنا اس آرام وراحت سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ وہ اس مسافرت کو ترک کر کے اپنے وطن واپس آئے اور احباب و متعلقین کے ساتھ مل کر وہاں رہے۔

اس مثال کے مطابق روح کا طالب علم عالم ارواح سے پردیس میں آیا اور اس عالم اجسام میں رہ کر علوم ومعارف اور محبت الٰہی کی تحصیل کی۔

فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھدآء والصالحین . (النساء: ۶۹)

"اس کو ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے انعام کیا نبیوں میں سے اور صدیقوں میں سے اور شہیدوں میں سے اور نیک لوگوں میں سے"۔

اس آیت کریمہ کے مطابق اس کے بھائی اور دوست "**اخوان علی سرر متقابلین .**

(الحجر: ۴۷) کہ مہمان خانے اس کے لیے آراستہ کرتے ہیں۔ بہتری اسی میں ہے کہ پردیس سے رخصت ہو کر اپنے اصلی وطن پہنچ جائے اور "ثم ردوآ الی اللہ مولٰھم الحق (الانعام: ۶۲) "پھر لوٹائے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو ان کا مولائے حقیقی ہے" کی شان والے مالک و مولا کی بارگاہ میں حاضری دے کر اپنے آپ کو پردیس کی پریشانیوں سے نجات دلائے۔

ساتویں حکمت یہ ہے کہ ایک کامل انسان جب تک دنیوی زندگی میں رہتا ہے اسے شیاطین و جنات سے سابقہ پڑا رہتا ہے لیکن موت کے بعد اُسے فرشتوں کی ہم نشینی حاصل ہوتی ہے۔ دیکھ لو! بہتری کس میں ہے۔

آٹھویں حکمت یہ ہے کہ بطور دلیل عرض کرتا ہوں کہ روح انسانی کا تعلق عالم ارواح سے ہے جبکہ اُس کا تن اور جثہ عالم اجسام سے متعلق ہے اور جنس اپنے ہم جنس کے ساتھ خوش رہتی ہے۔ پس موت روح کی جسم سے جدائی اور ملائکہ و ارواح صالحین کے ساتھ روح کی مصاحبت کا نام ہے۔

نویں حکمت یہ ہے کہ اگر یہ جسمانی حیات ہمیشہ کے لیے ہوتی تو باپ کے بعد بیٹے کی باری ہی نہ آتی۔ اس طرح باپ کی باری کا اختتام بیٹے کی باری کا آغاز قرار پاتا ہے۔ جس طرح باپ کا وجود اُس کی حیات کا سبب بنتا ہے، انجام کار اُس (باپ) کے اپنے وجود پر فنا کا غلبہ ہو جاتا ہے اور لامحالہ "کل من علیھا فان" کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔

دسویں حکمت یہ ہے کہ حیات جسمانی کے ساتھ بندہ کما حقہٗ شہود و حضور باری تعالیٰ سے مشرف نہیں ہو پاتا۔ یونہی مخلوق سے بھی حجابات میں رہتا ہے۔ بہر حال حق تعالیٰ شانہٗ کی تجلیات کا کشف اور مشاہدہ سب سے بہتر ہے اور بھی بہت ساری حکمتیں ہیں۔ ہم اختصار پر اکتفا کرتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ یہ حکمتیں جو تم نے بیان کی ہیں یہ تو صالحین اور نیک بندوں کی موت پر صادق آتی ہیں، فاسقوں اور نافرمانوں کی موت میں کیا حکمت ہے؟

تو اس کا جواب ہے: مخلوق خدا کا ان لوگوں کے شر سے محفوظ و مامون ہو جانا۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کے رازوں سے واقف ہے اور وہی تمام حاکموں کا حاکم ہے۔

﴿فصل نہم﴾

زیارت قبور اور کیفیت تجلی ارواح کی حقیقت:

اگر کوئی پوچھے کہ بتاؤ فوت شدگان کے مزارات پر جانے کا فائدہ کیا ہے؟ تو سنو! روح اور بدن کا تعلق عشقیہ ہے اور اس عشق کی حقیقت بہت نازک ہے۔ جسے صرف مقربین بارگاہ ہی جانتے ہیں۔ البتہ اس عشق کا وجود ظاہر و باہر ہے۔ دیکھئے تمام حیوانات طبعاً موت سے گھبراتے ہیں۔

روح کی بدن سے جدائی کے بعد بھی روح کا جسم کے ساتھ ایک قوی تعلق باقی رہتا ہے۔ جب کوئی دوسرا شخص اس خاک (قبر) کی زیارت کے لیے جاتا ہے تو اُس کی روح کو صاحب قبر کی روح کے ساتھ اس خاک یعنی قبر کے توسط سے ایک قسم کا اتصال اور قرب میسر آتا ہے اور یہ دو روحیں دو آئینوں کی مانند آمنے سامنے ہو جاتی ہیں۔ اس تعلق کے باعث ایک روح کا عکس دوسری پر پڑتا ہے اور دوسری کا پہلی پر۔ یوں دونوں ایک دوسرے کے باعث روشن ہو جاتی ہیں۔ جاننا چاہئے کہ زائر کی روح میں اکتساب کی قوت کا سبب زیادتی علم ہے جبکہ صاحب قبر کی روح کے لیے قوت تجلی ہے جس میں اکتساب کی طاقت نہیں ہے۔ جب یہ دونوں روحیں اس قبر کے توسط سے ایک دوسرے کے مقابل ہوتی ہیں تو فوت شدہ شخص کی روح کی قوت تجلی زیارت کرنے والے انسان کے بدن پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس تجلی سے اس کی روح قوت حاصل کرتی ہے۔ اسی طرح زیارت کرنے والے کی روح سے عرفان زیارت اور اطاعت و عبادات کا اثر اس جدا شدہ روح تک پہنچتا ہے اور اس کے درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے۔ یہ بات غیبی اسرار میں سے ہے جو فراست باطنی سے معلوم ہوتے ہیں جبکہ ارواح کی کیفیات و تجلیات اور ان سے مخاطبت کا ادراک بذریعہ کشف حاصل ہوتا ہے۔ رزقنا اللہ بفضلہ۔

﴿فصل دہم﴾

اپنا حال اور کیفیت رنج و الم:

میرا بیٹا محمد (مرحوم) اللہ تعالیٰ اپنی رضا و رحمت سے اسے بیش از بیش مستفیض فرمائے۔ انا للہ

وانّا الیہ راجعون .

یہ بندۂ ضعیف بشری تقاضوں کے مطابق، اس کی وفات کے باعث اس حال میں ہے گویا
میں جل رہا ہے۔ لیکن صفائے باطنی وروحانی کے لحاظ سے اُس کے لیے جنتی راحتوں کا متمنی ہوں۔
یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربانیاں اُس پر میری شفقت سے بڑھ کر ہیں کیونکہ میرے دل
موجود شفقت بھی تو اسی رحیم وکریم کی پیدا کردہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس قدر مہربان اور رؤف ورحیم
ہوتا تو مخلوق کے دل میں بھی شفقت کا جذبہ موجود نہ ہوتا۔

فوت ہونے والا مرحوم ایک عاجز بندہ اور رب ذوالجلال پروردگار کریم ہے۔ میں امید
ہوں کہ وہ اسے وہاں پر ہمارے ہاں سے زیادہ بہتر مقام پر رکھے گا۔

یا کھیٰعص! یا حمعسق! یا ہو من لا ہو الا ہو ، یا من لا الہ الا ہو، یا غا
علی الدھر والمکان، یا غنیا من الحدث والامکان!

ہم سب پر اور اس عاجز مرحوم پر اپنی رحمت ورضا کے ساتھ توجہ فرما! بے شک تو عطا کر کے خو
ہونے والا شہنشاہ ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ آنکھیں اشکبار ہیں اور دل دردِ فراق کی آگ میں جل رہا ہے لیکن میں خداون
جہان کی رضا پر راضی ہوں۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان .

تمت:

ترجمہ کی تکمیل: ۹۸-۱۰-۳

۱۱ جمادی الآخر ۱۴۱۹ھ کو ہوئی۔

مترجم ایں رسالہ ومحرر مقالہ

الحقیر محمد شہزاد مجددی غفرلہ ولوالدیہ

حمد باری تعالیٰ

ذات قدیم صاحب ہر فخر و ناز ہے
ستار ہے صمد ہے وہی بے نیاز ہے

رہتا ہے مہربان دو عالم پہ ہر گھڑی
میرا خدا کریم ہے ، بندہ نواز ہے

جھکتے ہیں اُس کے آگے ملک بھی رسول بھی
سارا اُسی کے واسطے عجز ونیاز ہے

نغمہ سرائے حمد ہے بارش کی بوند بوند
دست صبا میں اس کی عقیدت کا ساز ہے

جلوہ گری اُسی کی ہے نرگس کی آنکھ میں
اُس کے کرم سے کاکل سنبل دراز ہے

وہ کھولتا ہے گنبد بے در میں کھڑکیاں
دنیا میں اسی کا لطف بلا امتیاز ہے

پاتا ہے ذات حق سے وہ توفیق نعت کی
شہزاد اُس کے فضل سے جو سرفراز ہے

نگارش ۔ شہزاد [illegible]